ستمبر ۲۰۰۱ء

ماہنامہ

طلوعِ اسلام

لاہور

قرآنی نظامِ ربوبیت کا پیامبر

عظمت کردار کا گوہر تاب دار

(قائداعظم محمد علی جناح)

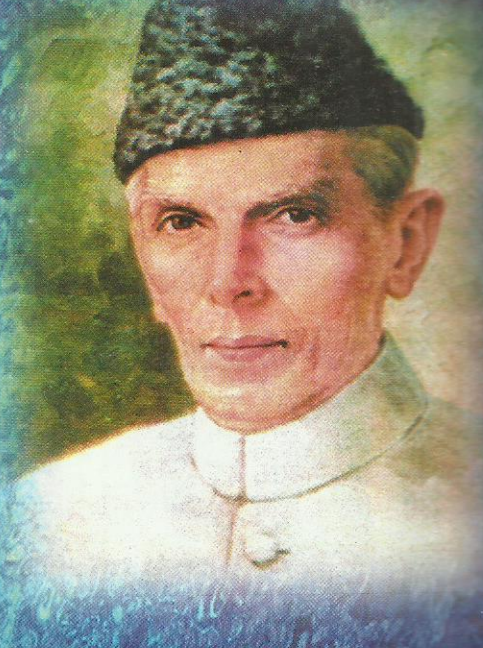

اسلام اور مذہبی رواداری

جمہوریت کس طرح بحال ہو سکتی ہے؟

14 اگست 2001ء

مینارِ پاکستان کے سایہ تلے طلوعِ اسلام کے اسٹال کے مناظر

مجلّہ طلوع اسلام کا اجراء 1938ء میں علامہ اقبالؒ کے ایماء اور قائداعظمؒ کی خواہش پر عمل میں آیا

قُرآنی نظامِ ربُوبیّت کا پیامبر

ماہنامہ

طلوعِ اسلام

لاہور

خط و کتابت

ناظم ادارہ طلوعِ اسلام (رجسٹرڈ) ۲۵۔ بی گلبرگ ۲ لاہور۔ ۵۴۶۶۰

ٹیلی فون: 5714546-5753666

idara@toluislam.com

بدل اشتراک

سالانہ

پاکستان -/170 روپے

غیر ممالک -/800 روپے

قیمت فی پرچہ

-/15 روپے

Bank Account Number 3082-7 National Bank of Pakistan, Main Market Gulberg Branch, Lahore.

جلد 54 | ستمبر 2001ء | شمارہ نمبر 09

ایڈیٹر

محمد سلیم اختر

مجلس مشاورت

✵ ڈاکٹر صلاح الدین اکبر

✵ محترمہ شمیم انور

اکاؤنٹینٹ --------- محمد زمرد بیگ

کمپوزر --------- شعیب حسین

انتظامیہ

چیئرمین --------- ایاز حسین انصاری

ناظم --------- محمد سلیم اختر

ناشر --------- عطاء الرحمان ارائیں

قانونی مشیر

◉ عبداللہ ثانی ایڈووکیٹ

◉ ملک محمد سلیم ایڈووکیٹ

◉ محمد اقبال چوہدری ایڈووکیٹ

پرنٹرز: آفتاب عالم پریس، ہسپتال روڈ، لاہور۔ فون: 7232584

فہرست

لمعات	ادارہ	3
عظمت کردار کا گوہر تابدار (قائداعظمؒ)	غلام احمد پرویزؒ	8
اسلام اور مذہبی رواداری	غلام احمد پرویزؒ	32
سود	ابن مریم	46

ENGLISH SECTION

Voice of Youth
A Message of Hope
by Saima Hamid 54

The Status of Hadith.....
Formalism in Hadith
Allama Aslam Jirajpuri
Translated by Aboo B. Rana 63

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

لمعات

جمہوریت کس طرح بحال ہوسکتی ہے۔

معروف صحافی ارشاد احمد حقانی صاحب نے جنرل پرویز مشرف کی 14 اگست کی مفصل تقریر پر اپنے کالموں میں بھرپور تبصرہ کرتے ہوئے بحالیء جمہوریت کے ضمن میں تجویز پیش کی ہے کہ پاکستان میں قومی اسمبلی کے ارکان کی تعداد کم از کم 500 ہونی چاہئے۔ اسی تناسب سے صوبائی اسمبلیوں کے ارکان کی تعداد میں بھی اضافہ ہونا چاہئے۔ اپنی اس تجویز کو انہوں نے مراعات یافتہ طبقہ کی گرفت کو کمزور کرنے کی ایک تدبیر قرار دیا ہے۔ انہی کالموں میں آگے چل کر وہ لکھتے ہیں: ''چودہ پندرہ سال پہلے بطور وزیر اعلیٰ پنجاب میاں نواز شریف کی صدارت میں ہونے والے یوم پاکستان کے ایک اجلاس میں، میں نے آمدنی اور طبقے کی بنیاد پر انتخابی فہرستیں مرتب کرنے کی تجویز دی تھی لیکن اس وقت میں اس کا اعادہ نہیں کر رہا کیونکہ یہ اس قدر انقلابی ہے کہ معاشرے کے بالادست طبقات کے لئے اسے ہضم کرنا آسان نہیں ہوگا''۔

(روزنامہ جنگ 17 اگست 2001ء)

یہ انقلابی تجویز، جس کے متعلق حقانی صاحب کا کہنا ہے کہ اسے معاشرے کے بالادست طبقے کے لئے ہضم کرنا آسان نہیں ہے، سب سے پہلے طلوع اسلام نے اکتوبر 1967ء میں پیش کی تھی۔ آج بھی ہم سمجھتے ہیں کہ مراعات یافتہ طبقہ کی گرفت ایک ہی ضرب میں توڑنے کے لئے بحالیء جمہوریت کا یہ طریق سب سے موثر ثابت ہوسکتا ہے۔ برایں بنا 1969ء کے طلوع اسلام میں شائع ہونے والا مضمون ایک دفعہ پھر پیش خدمت کیا جاتا ہے۔ ملاحظہ فرمائیے ''جمہوریت کس طرح بحال ہوسکتی ہے''۔

''اس ملک کی سیاسی کشمکش میں' جو مسائل متنازعہ فیہ ہیں ان میں سرفہرست جمہوریت کی بحالی کا سوال ہے۔ جسے تفصیل کا علم نہ ہو وہ یہ سمجھے گا کہ یہاں ایک فریق آمریت (ڈکٹیٹرشپ) قائم کرنا چاہتا ہے اور دوسرا فریق جمہوریت کا قائل ہے۔ لیکن حقیقت یہ نہیں۔ یہاں دونوں فریق جمہوریت پسند ہیں اور فرق صرف طریق انتخاب کا ہے۔ موجودہ طریق انتخاب یہ ہے کہ بالغ رائے دہندگان بی۔ ڈی ممبروں کا انتخاب کرتے ہیں' اور پھر یہ ممبر' پارلیمان کے ارکین اور صدر مملکت کا انتخاب کرتے ہیں۔ (یاد رہے یہ مضمون 1967ء میں تحریر ہوا تھا) فریق مقابل یہ چاہتا ہے' کہ بالغ رائے دہندگان' پارلیمان کے اراکین کا انتخاب کریں اور یہ اراکین صدر کا انتخاب۔ اگرچہ دوسرا مابہ النزاع سوال یہ بھی ہے کہ یہاں (امریکی جمہوریت کے انداز کا) صدارتی نظام ہو یا (انگریزی جمہوریت کے طرز پر) پارلیمانی نظام۔ لیکن بنیادی اہمیت' اول الذکر سوال ہی کو حاصل ہے' اور اسی سے ملک میں یہ سارا طوفان برپا کیا جا رہا ہے۔

ہم اس وقت اس سوال میں نہیں الجھنا چاہتے کہ طریق انتخاب ایک انداز کا ہونا چاہئے یا دوسرے انداز کا۔ ہم دیکھنا چاہتے ہیں کہ ان دونوں طریقوں میں سے کسی بھی طریق کو اختیار کر لیا جائے' کیا اس سے فی الواقعہ جمہوریت بحال ہو جائے گی؟ جمہوریت سے مراد لی جاتی ہے' ملک کے عوام کی حکومت اور اس کا عملی طریق یہ بتایا جاتا ہے کہ عوام اپنے نمائندے منتخب کریں' اور یہ نمائندگان' عوام کی طرف سے' کاروبار مملکت سرانجام دیں۔ سوال یہ ہے کہ ان دونوں طریقوں میں سے کوئی طریق بھی اختیار کر لیا جائے' کیا اس کے مطابق جو نمائندگان منتخب ہوں گے' وہ فی الواقعہ عوام کے نمائندے ہوں گے' یا ہو سکتے ہیں؟ بات سمجھنے کے لئے فرض کیجئے کہ ایک حلقہء انتخاب میں دو کارخانے ہیں اور ووٹر بیشتر ان کارخانوں میں کام کرنے والے مزدور۔ ان کارخانوں کے مالک ایک نشست کے لئے بطور امیدوار کھڑے ہوتے ہیں اور ان میں سے ایک کامیاب ہو جاتا ہے۔ سوال یہ ہے کہ کیا اس کارخانے کا مالک ان مزدوروں کا نمائندہ کہلا سکتا ہے جن کے ووٹوں سے یہ منتخب ہوا ہے؟ مزدوروں کا نمائندہ' مل کا مالک کیسے ہو سکتا ہے؟ وہ ان کی نمائندگی کیسے کر سکتا ہے؟ مل کے مالک کے اور مزدوروں کے' مفاد آپس میں ٹکراتے ہیں۔ آپ سوچئے کہ یہ مل کا مالک کسی صورت میں بھی اپنے مفاد کو قربان کر کے' مزدوروں کے مفاد کا تحفظ کرے گا؟ آپ کہیں گے کہ ان مزدوروں نے اسے ووٹ کیوں دیئے؟ وہ اگر اسے ووٹ نہ دیتے تو دوسرا بھی تو مل کا مالک ہی تھا' اسے ووٹ دیتے تو وہ بھی یہی کچھ کرتا۔ ان مزدوروں کے لئے' اس کے سوا چارۂ کار ہی نہ تھا کہ وہ ان دونوں میں سے کسی ایک کو ووٹ دیتے۔ آپ کہہ سکتے ہیں کہ یہ مزدور خود اپنے میں سے کسی کو بطور امیدوار کھڑا کر سکتے تھے۔ یہ ٹھیک ہے کہ وہ ایسا کر سکتے تھے۔ لیکن' بہ حالات موجودہ'

کیا یہ ممکن تھا کہ یہ مزدور امیدوار مل کے مالک کے مقابلہ میں کامیاب ہو جاتا؟ ہم جیسے غیر یا نیم ترقی یافتہ ممالک تو ایک طرف، اس کا امکان تو ہنوز ان ممالک میں بھی نہیں جہاں عوام کا سیاسی شعور بیدار ہے اور وہ اپنی روٹی کے لئے بالادست طبقہ کے اس قدر دست نگر بھی نہیں۔

کارخانوں سے پیچھے ہٹ کر شہر کے محلوں کی طرف آ جایئے۔ وہاں بھی یہی کیفیت نظر آئے گی۔ ووٹ دینے والے 'عوام' غریب ہوں گے اور امیدوار محلّہ کے چوہدری (جو اب دولت مند کا دوسرا نام ہے) ان عوام میں سے کس کی مجال ہے کہ ان کے مقابلہ میں کھڑا ہو جائے یا کھڑا ہو کر کامیاب ہو جائے۔ محلوں سے بھی کوئی نہ کوئی ''چوہدری'' ہی منتخب ہو کر، عوام کے نمائندہ کی حیثیت سے، اوپر پہنچے گا۔ شہروں سے باہر نکل کر، دیہاتی علاقوں میں جایئے۔ وہاں حالت اس سے بھی بدتر دکھائی دے گی۔ وہاں ووٹ دینے والے مزارع یا کمزور کاشتکار ہوں گے اور امیدوار بڑے بڑے سردار۔ ان کے مقابلہ میں کسی مزارع کے سر اٹھا کر چلنے کا بھی سوال پیدا نہیں ہوتا چہ جائیکہ وہ الیکشن میں ان کا مقابلہ کرنے کے لئے کھڑا ہو جائے۔ ان مزارعوں اور کاشت کاروں کے نمائندے بھی یہی بڑے بڑے زمیندار ہوں گے جن کے مفاد قدم قدم پر ان غریبوں کے مفاد سے ٹکراتے ہیں۔ آپ سوچئے کہ بی۔ ڈی ممبر ہوں یا پارلیمان کے ارکان، ان میں سے کسی کو بھی آپ اس اسی نوے فیصد آبادی کا نمائندہ کہہ سکتے ہیں جن کی نمائندگی کرنے کے یہ مدعی ہیں۔

اس نظام کو اگر واقعی جمہوری نظام بنانا مقصود ہے تو اس کے لئے کرنے کا کام یہ ہے کہ۔۔۔ حلقہ ہائے انتخاب آمدنی کے معیار کے مطابق متعین کئے جائیں۔ مثلاً سو روپیہ ماہوار آمدنی والے افراد پر مشتمل ایک حلقہ۔ ان افراد کی تعداد کی نسبت سے اس میں نشستوں کا تعین اور اس کے بعد شرط یہ کہ اس حلقہ میں سے امیدوار وہی کھڑے ہو سکتے ہیں جن کی آمدنی اتنی ہو۔ اسی شکل کو آگے بڑھاتے جایئے۔ مثلاً سو سے پانچ سو روپے ماہوار آمدنی والوں کا الگ حلقہء انتخاب۔۔ اور امیدوار بھی انہی میں سے۔۔ اسے اسی طرح بڑھاتے بڑھاتے آپ لاکھوں روپے ماہوار آمدنی تک لے جایئے۔ ظاہر ہے کہ جوں جوں ہم اوپر اٹھتے جائیں گے نشستوں کی تعداد کم ہوتی جائے گی اور آخری نتیجہ یہ ہوگا کہ (خواہ بی۔ ڈی ممبر ہوں یا پارلیمانی ارکان) پورے کا پورا ایوان قوم کے صحیح نمائندگان پر مشتمل ہوگا اور ان میں اکثریت ان کی ہوگی جن کی بہ لحاظ آبادی ملک میں اکثریت ہوگی۔ اس پر ہم اتنا اضافہ اور کرنا چاہیں گے کہ امیدواروں کے لئے کم از کم تعلیم کی شرط بھی ضرور عائد ہونی چاہئے۔ اس کے لئے تعلیمی معیار بھی آمدنی کی نسبت سے رکھا جائے۔ سو روپیہ ماہوار آمدنی والوں کے لئے پرائمری یا مڈل تک کی شرط ہی کافی ہے۔ جوں جوں اوپر اٹھتے جائیں تعلیمی معیار بھی بلند ہوتا

جائے۔ صدارت کے لئے البتہ معیار آمدنی نہیں' صرف تعلیم رکھا جائے۔ کیونکہ صدر مملکت کسی خاص حلقہء انتخاب کا نمائندہ نہیں ہوتا' پورے ملک کا نمائندہ ہوتا ہے۔

اس طریق انتخاب کی رو سے (علاوہ اس کے کہ قوم کے نمائندے فی الواقعہ قوم کے نمائندے ہونگے) سب سے بڑا فائدہ یہ ہوگا کہ الیکشن کی خرابیاں (جن کا ہم اس قدر رونا روتے رہتے ہیں) خود بخود دور ہو جائیں گی۔ سورِ پیہ ماہوار آمدنی والا امیدوار' اپنے ووٹروں کو رشوت کہاں سے دے گا اور جھوٹے سچے پراپیگنڈے کے لئے رقم کہاں سے لائے گا؟ اور لاکھ روپیہ ماہوار آمدنی والا اگر رشوت دینا چاہے گا' تو اس کے ووٹر بھی اسی کی حیثیت کے ہوں گے۔ انہیں خریدنے کے لئے اسے خود بکنا پڑے گا۔

یہ تو رہا عام آبادی کی نمائندگی کا سوال۔ جہاں تک خصوصی مفادات کا تعلق ہے' ان کے لئے ایک ایوان بالا (Senate) کا ہونا ضروری ہے۔ ''خصوصی مفادات'' سے ہماری مراد ہے (مثلاً) ڈاکٹر' وکلاء' جج صاحبان' اساتذہ' اہل قلم' سائنٹیفک تحقیقات کے ماہر' صنعت وحرفت' تجارت' زراعت' وغیرہ۔ ان کے لئے یہی انتخابی حلقے ہوں۔ وہی ووٹ دینے والے اور انہی میں سے امیدوار۔ ایوان زیریں اور بالا کے باہمی تعلقات اور دوائر اختیار کا فیصلہ آئینی طور پر کیا جا سکتا ہے۔

ہم نے اس تجویز کو' اکتوبر 1967ء میں پیش کیا اور پھر اس انتظار میں رہے کہ جو لوگ جمہوریت کی بحالی کے لئے اس قدر تڑپتے نظر آتے ہیں' کیا وہ اس کی تائید کرتے ہیں۔ لیکن آپ حیران ہوں گے' کہ مزدوروں اور غریبوں کی طرف سے تو اس کا بڑا پرمسرت استقبال ہوا لیکن لیڈروں میں سے کسی ایک نے بھی اس کی تائید نہ کی' اگرچہ (ہماری اطلاع کے مطابق) نجی محفلوں میں وہ اسے بہت سراہتے رہے۔ ہم نے اس تجویز کو پھر اس لئے دہرایا ہے کہ ذرا اس کا ٹیسٹ ہو جائے کہ جو لوگ عوام کے اس قدر ہمدرد' اور غمگسار بنتے ہیں' کیا وہ فی الواقعہ عوام کے بہی خواہ ہیں۔ اگر وہ ان کے بہی خواہ ہیں تو انہیں اس جمہوریت کے لئے جدوجہد کرنی چاہئے جس میں اقتدار فی الواقعہ جمہور کے ہاتھ میں ہو۔ ورنہ موجودہ کشمکش تو اس کے سوا کچھ نہیں کہ ہر ایک اپنے اپنے اقتدار کے لئے تڑپ رہا ہے اور عوام کے نام کو اس حصولِ اقتدار کا ذریعہ بنایا جا رہا ہے۔ ہم عوام سے بھی عرض کریں گے کہ جو لوگ آپ کے حقوق کے تحفظ کے دعویدار ہوں' آپ ان سے کہئے کہ ہمارا تجویز کردہ طریق انتخاب اختیار کریں۔ اگر وہ اس کے لئے آمادہ نہ ہوں تو سمجھ لیجئے کہ وہ آپ کی اون مونڈ کر اپنی شال بنوانا چاہتے ہیں۔''

امت مسلمہ کا ہر فرد جاننا چاہتا ہے کہ

فرقے کیسے مٹ سکتے ہیں؟

اس اہم اور پریشان کن سوال کا جواب

صرف ایک خط لکھ کر

مفت

حاصل کیجئے

ادارہ طلوع اسلام رجسٹرڈ، 25 بی، گلبرگ 2، لاہور

Ph:42-5714546

Email: Idara@toluislam.com

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

عظمتِ کردار کا گوہرِ تابدار

قائداعظمؒ

(پرویز علیہ الرحمتہ کا خطاب جسے انہوں نے قائداعظمؒ کے یوم وفات کی تقریب منعقدہ 12 ستمبر 1976ء پر بطور خصوصی درس پیش فرمایا۔)

ویراں ہے میکدہ، خُم و ساغر اداس ہیں
تم کیا گئے کہ رُوٹھ گئے دِن بہار کے

عزیزان گرامی قدر۔۔سلام ورحمت۔

ہم آج اس بطل جلیل کی یاد منانے کے لئے جمع ہوئے ہیں جس کا دوام، جریدۂ عالم پر ثبت ہے۔ میرے ذہن میں جب بھی قائداعظم (علیہ الرحمتہ) کی یاد تازہ ہوتی ہے (اور شاید ہی کوئی دن ایسا ہو جب کسی نہ کسی نوع سے یہ یاد تازہ نہ ہوتی ہو۔) علامہ اقبالؒ کے یہ زندۂ جاوید اشعار بے ساختہ زبان پر آجاتے ہیں، جو انہوں نے مسجد قرطبہ کے حوالے سے کہے ہیں کہ: ؎

اول و آخر فنا، باطن و ظاہر فنا
نقش کہن ہو کہ نو، منزل آخر فنا
ہے مگر اس نقش میں رنگِ ثباتِ دوام
جس کو کیا ہو کسی مردِ خدا نے تمام

اس لئے کہ:

مردِ خدا کا عمل، عشق سے صاحبِ فروغ
عشق ہے اصلِ حیات، موت ہے اس پر حرام

اور عشق سے مراد ہے اپنے مقصد کی سچائی اور پاکیزگی پر یقینِ محکم اور اس کے حصول کے لئے عملِ پیہم۔ یہی وہ سرمستِ بادۂ عشق ہے جس کے متعلق علامہ نے کہا ہے کہ: ؎

ہاتھ ہے اللہ کا، بندۂ مومن کا ہاتھ
غالب و کار آفریں، کارکشا، کارساز
اس کی امیدیں قلیل، اس کے مقاصد جلیل
اس کی ادا دلفریب، اس کی نگہ دل نواز
نرم دمِ گفتگو، گرم دمِ جستجو!!
رزم ہو یا بزم ہو، پاک دل و پاک باز
عقل کی منزل ہے وہ، عشق کا حاصل ہے وہ
حلقۂ آفاق میں، گرمیٔ محفل ہے وہ

یہی ہے عقل و عشق کا وہ حسین آمیزہ جسے ہم قائداعظمؒ محمد علی جناح کہہ کر پکارتے' اور مخلص قلوب اس پکار سے اپنے اندر گرمئ نبضِ حیات محسوس کرتے ہیں۔

بجھارتیں

عزیزان من! تاریخ کا یہ عجیب المیہ ہے کہ جس قوم کی فکر ناپختہ ہو' اس کے لئے صاف اور سادہ حقائق بھی معمہ بن کر رہ جاتے ہیں' اور کھلی ہوئی' روشن حقیقتیں بھی اس کے لئے بجھارتیں بن جاتی ہیں۔ ہماری قوم کے لئے انہی بجھارتوں میں یہ روشن حقیقتیں بھی شامل ہیں کہ ہم نے پاکستان کیوں مانگا تھا' اور اس کے حصول کے اسباب و ذرائع کیا تھے؟ ہمارے ہاں کے بڑے بڑے لال بجھکڑ (جنہیں عرف عامہ میں دانشور کہا جاتا ہے) ان بجھارتوں کے بوجھنے میں برسوں سے پریشان و سرگرداں ہیں' اور اپنی تحقیق و تفتیش کے نتیجہ میں ایسی ایسی دور کی کوڑی لاتے ہیں جسے دیکھ کر عقل روئے اور علم شرمائے۔ یوں تو یہ سلسلہء تحقیق و تدقیق تشکیل پاکستان کے ساتھ ہی شروع ہو گیا تھا لیکن امسال' کہ قوم اس رہبر فرزانہ کا صد سالہ جشنِ پیدائش منانے میں مصروف ہے' (اور اب ایک سو پچیسواں سال مناتے ہوئے بھی قوم کے یہ ''دانشور'' انہی بجھارتوں کے بوجھنے میں مصروف ہیں) ایسے ایسے مضحکہ انگیز نکات سامنے لائے جا رہے ہیں جنہیں دیکھ کر سر پیٹ لینے کو جی چاہتا ہے۔ حالانکہ یہ سوال کہ۔۔ ہم نے پاکستان کیوں مانگا تھا؟۔۔ نہ کوئی معمہ ہے نہ بجھارت۔ یہ ایک صاف اور واضح حقیقت ہے کہ ہم نے پاکستان اس لئے مانگا تھا کہ یہ ہمارے دین کا تقاضا تھا۔ اسلام' ایک زندہ حقیقت اور عملی نظام حیات بننے کے لئے اپنی آزاد مملکت کا متقاضی ہے اور یہی تقاضا' مطالبہ پاکستان کی بنیاد ہے۔

اب رہا دوسرا سوال' کہ اس کے حصول کے اسباب و ذرائع کیا تھے' تو چونکہ آج ہماری قوم اس تصور ہی سے بے گانہ ہو چکی ہے کہ عزم و یقین (ایمان) کی قوت کس قدر بے پناہ ہوتی ہے' اور اس سے بے ساز و یراق کیسے کیسے محیر العقول کارنامے ظہور میں آ جاتے ہیں' اس لئے وہ اسے بھی نہیں سمجھ سکتی کہ حصول پاکستان کا راز' اس معمار پاکستان کے عزم بلند اور یقین محکم میں مضمر تھا۔ میں آج کی نشست میں' عزیزان من! اس حقیقت کی نقاب کشائی کی کوشش کروں گا کہ یہ قائداعظمؒ کے کردار کی عظمت تھی جس سے یہ ''معجزہ'' ظہور میں آ گیا۔

کیریکٹر ماپنے کا پیمانہ

جہاں تک کردار کی عظمت (یعنی کیریکٹر کی بلندی اور پاکیزگی) کا تعلق ہے' اس ضمن میں ایک اہم نکتہ پیشِ نظر رکھنا چاہئے اور وہ یہ کہ نام و نمود کے خواہاں لوگ جب اپنی شہرت کے عروج پر پہنچ جائیں تو وہ اپنی گفتار و کردار کے بارے میں خاص احتیاط برتتے ہیں کہ ان سے کوئی ایسی حرکت سرزد نہ ہو جائے جس سے ان کی شہرت داغدار ہو جائے۔ لہٰذا' ان کے اس زمانے کے اعمال و افعال' کیریکٹر ماپنے کا پیمانہ نہیں بن سکتے۔ کیریکٹر ماپنے کا پیمانہ کسی کے اس زمانے کے احوال و کوائف ہوتے ہیں جب اس نے ہنوز کوئی مقام بلند نہ حاصل کیا ہو اور وہ عام انسانوں کی سی زندگی بسر کر رہا ہو۔ وہ اس زمانے میں جو کچھ کہتا اور کرتا ہے' اس میں تصنع اور آورد

نہیں ہوتی۔ اس لئے ان میں اس کے جوہر کردار کی حقیقی جھلک دکھائی دے سکتی ہے۔۔ یہ وجہ ہے کہ جب حضورؐ نبی اکرم سے مخالفین نے پوچھا کہ اس امر کی شہادت کیا ہے کہ آپ اپنے دعویٰ میں سچے ہیں تو آپؐ نے فرمایا کہ: **فقد لبثت فیکم عمراً من قبلہ افلا تعقلون** (۱۰/۱۶)۔ میں نے دعویٰ نبوت سے پہلے، جب میری حیثیت معاشرہ کے ایک فرد عام کی تھی، تمہارے اندر زندگی گذاری ہے۔ میرے اس زمانے کے کردار کو سامنے لاؤ اور پھر سوچو کہ اس قسم کا کردار ایک سچے انسان کا ہوتا ہے یا جھوٹے آدمی کا! حضورؐ کے اس جواب نے (جو بزبانِ وحی دیا گیا تھا) ہمارے سامنے کردار کے ماپنے کا صحیح پیمانہ رکھ دیا ہے۔ میں اسی پیمانے کے مطابق، قائداعظمؒ کے کردار کی داستان، ان کی زندگی کے اس ابتدائی دور سے شروع کروں گا جب انہیں ہنوز ملک گیر شہرت حاصل نہیں ہوئی تھی۔ آغاز سخن ۱۹۱۸ء سے کیا جاتا ہے جب مانٹیگو۔ چمسفورڈ اسکیم کے سلسلہ میں، اس زمانے کے وزیر ہند، مسٹر مانٹیگو ہندوستان آئے۔ انہوں نے، اس وقت کے چوٹی کے لیڈروں، تلک، گوکھلے، دادا بھائی نوروجی کے علاوہ، مسٹر محمد علی جناحؒ سے بھی ملاقات کی اور اپنی ڈائری میں اس جواں سال سیاستدان کے متعلق اپنے تاثرات ان الفاظ میں قلم بند کئے:-

مسٹر مانٹیگو کے تاثرات

ایک صاف ستھرا، انتہائی باسلیقہ نوجوان جس کی چال ڈھال دل پر گہرا اثر ڈالتی ہے۔ گفتگو میں منطق، داؤ پیچ کا زبردست ماہر۔ اپنی بات کو سولہ آنے منوانے کا مدعی، وہ اپنی رائے میں کسی ترمیم کا روادار نہیں۔ اگر اس کی پوری بات نہ مانی جائے تو آدھی بات ماننے پر کبھی راضی نہیں ہوگا۔ میں اس سے باتیں کر کے ہار گیا۔ لارڈ چمسفورڈ نے اس سے بحث کرنے کی کوشش کی، لیکن جناحؒ کی قوت استدلال نے اسے پوری طرح الجھا کر چاروں شانے چت گرا دیا۔ وہ ایک انتہائی ذہین شخصیت کا مالک ہے۔ اس سے بڑھ کر حقوق کی پامالی اور کیا ہو سکتی ہے کہ جناح جیسے انسان کو بھی نظام مملکت میں دخل حاصل نہ ہو۔[1]

لندن سے (بیرسٹری کا امتحان پاس کرنے کے بعد) مسٹر جناحؒ نے بمبئی میں پریکٹس شروع کی تو حالات سخت نامساعد تھے اور زمانہ انتہائی مشکلات کا۔ لیکن اس پر بھی، بساط روزگار پر اس نو وارد کی خود اعتمادی کا یہ عالم تھا کہ عدلیہ کے سربراہ، سر چارلس اولیونٹ نے انہیں پریزیڈنسی مجسٹریٹ کے ممتاز منصب کی پیشکش کی جس کا مشاہرہ پندرہ سو روپیہ تھا، تو مسٹر جناحؒ نے اس پیشکش کو شکریہ کے ساتھ، یہ کہتے ہوئے مسترد کر دیا کہ میں کم از کم پندرہ سو روپے روزانہ کمانے کا پروگرام بنا چکا ہوں۔ سر چارلس، اسے ایک مجذوب کی بڑ قرار دے کر مسکرا دیا۔ لیکن تھوڑے ہی عرصہ کے بعد اس نے دیکھ لیا کہ یہ مجذوب کی بڑ نہیں تھی۔ ایک بخود خزیدہ نوجوان کی خود اعتمادی کا مظاہرہ تھا جو حقیقت بن کر رہا۔

لارڈ ہارڈنگ کو جواب

اب آگے بڑھئے۔ پہلی جنگ عظیم کا آخری دور تھا۔ اگرچہ اس میں اتحادیوں کو بہ ہیئت مجموعی کامیابی حاصل ہو رہی

1 جن اقتباسات کے حوالے نہیں دیئے گئے ان کے لئے طلوع اسلام بابت ستمبر و اکتوبر 1975ء ملاحظہ کیجئے۔

تھی، لیکن ان جراحت ہائے پیہم سے برطانیہ کی حالت بسمل کی سی ہو رہی تھی اور حکومت اس قدر ذکی الحس ہو گئی تھی کہ وہ اپنے خلاف ذرا سی تنقید بھی برداشت کرنے کے لئے تیار نہ تھی۔ اسی زمانے کا ذکر ہے کہ لارڈ ہارڈنگ برطانوی پارلیمنٹ میں یہ کہہ بیٹھا کہ ہم، انگریزوں اور ہندوستانیوں، دونوں کو دعوت دیتے ہیں کہ حکومت ہند کے خلاف آزادانہ تنقید کریں۔ جناحؒ کو ایسا موقعہ خدا دے۔ وہ اس زمانے میں، مسز اینی بسینٹ کی قائم کردہ، ہوم رول لیگ کے سرگرم رکن تھے۔ انہوں نے اسی پلیٹ فارم سے جوابی تقریر کی جس میں پہلے اہل ہند کی ان بے مثال قربانیوں کا ذکر کیا جو انہوں نے جنگ کے سلسلہ میں دی تھیں۔ اس کے بعد کہا:

ان قربانیوں کے باوجود ہندوستانیوں سے کیا سلوک روا رکھا جا رہا ہے؟ باوجود اتنا خون کرانے کے ہندوستان کو اس کی قیمت کیا مل رہی ہے؟ کیا ان قربانیوں کا یہی صلہ ہے کہ آزادی کے علمبردار جیلوں میں بند کئے جا رہے ہیں۔۔ آخر قربانیوں کا زبانی اعتراف کر لینے سے کیا ہوتا ہے..... یہ جنگ، آزادی اور استقلال کی بقا کے لئے لڑی گئی تھی۔ کیا دفتری حکومت اندھی تھی؟ کیا ارباب حکومت فاتر العقل تھے جو جنگ جیتنے کے بعد ہندوستانیوں سے ایسا سلوک روا رکھنے پر اتر آئے؟ یاد رکھئے کہ یہ طرز حکومت کے ذہنی اور سیاسی افلاس کا نشان ہے۔

مسٹر جناحؒ کے اس نعرۂ حریت کا اثر تھا کہ وزیر ہند کو دارالعوام میں اعلان کرنا پڑا کہ:

ملک معظم کی حکومت کی پالیسی یہ ہے کہ ہندوستانیوں کو معاملات میں زیادہ سے زیادہ مواقع دیئے جائیں اور رفتہ رفتہ حکومت برطانیہ کے اس حصے میں سیلف گورنمنٹ کی بنیاد رکھی جائے۔

یہ آزادئ ہند کی عمارت کی پہلی اینٹ تھی جو محمد علی جناحؒ کے ہاتھ سے رکھی گئی۔

لارڈ سیڈنہم کے خلاف

وزیر ہند نے تو حکومت برطانیہ کی اس پالیسی کا اعلان کر دیا لیکن ہندوستان میں ایسے سرپھرے انگریز حکمران تھے جو نشۂ قوت میں بدمست، اس تصور تک کو بھی برداشت نہیں کر سکتے تھے کہ اہل ہند کو کچھ سیاسی اختیارات حاصل ہو جائیں۔ ان میں لارڈ سیڈنہم اور لارڈ ولنگڈن کا نام سرفہرست آتا تھا جو یکے بعد دیگرے، اس صوبۂ بمبئی کے گورنر مقرر ہوئے جو جناحؒ کا مسکن تھا۔ جناحؒ نے ان دونوں سے جس بیباکانہ انداز سے ٹکر لی وہ ہندوستانی سیاست کی تاریخ کا نہایت ولولہ انگیز باب ہے۔ لارڈ سیڈنہم نے اہل ہند کے خلاف کچھ تحقیر آمیز الفاظ کہے۔ تو یہ، سرمست بادۂ حریت، بپھرے ہوئے شیر کی طرح، ہوم رول لیگ کے پلیٹ فارم سے گرجا اور لارڈ سیڈنہم کا نام لے کر کہا کہ:

یہی ہے وہ رجعت پسند جو ایک عرصہ تک ہندوستان کی مہمان نوازی سے لطف اندوز رہا۔ جس نے ہندوستان کے خزانے سے بیش قدر تنخواہیں وصول کیں اور اب یہ ایسی سازشوں کی رہنمائی کر رہا ہے۔ جو کسی شریف انسان کے لئے باعث فخر نہیں ہو سکتیں۔

میں اس کی ساری بکواس کا یہی جواب دے سکتا ہوں کہ جب یہاں کے عوام حق خود اختیاری کے قابل ہو جائیں گے تو وہ اس کے پاس اس حق کے لئے بھیک مانگنے نہیں جائیں گے۔

لارڈ ولنگڈن سے نبرد آزمائی

اس دور میں جرأت و بیباکی کی اس قسم کی مثال بہت کم ملے گی۔ اس کے بعد لارڈ ولنگڈن کی باری آئی۔ اس جابر حکمران نے مسلم لیگ کے ایک اجلاس کو ناکام بنانے کی نہایت مکروہ سازش کی تھی اور جناحؒ کو اس کا علم تھا۔ وہ جب ہندوستان سے رخصت ہونے لگا تو خوشامد پسندوں کے ایک گروہ نے' ٹاؤن ہال میں' ایک استقبالیہ کا اہتمام کیا جس میں اہالیان شہر کی طرف سے اس کی خدمت میں سپاسنامہ پیش کرنے کا پروگرام تھا۔ مسٹر جناحؒ انتہائی جرأت و بسالت سے اس جلسہ میں جا پہنچے لیکن پولیس نے انہیں وہاں سے نکال دیا۔ وہ ہال سے باہر آئے تو وہاں ہزاروں لوگ جمع ہو چکے تھے۔ مسٹر جناحؒ نے وہاں جو شعلہ انگیز تقریر کی' اس نے فضا میں ایسا تہلکہ مچا دیا کہ ٹاؤن ہال کا جلسہ درہم برہم ہو کر رہ گیا۔ اس بے مثال کامیابی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے انہوں نے سامعین سے کہا کہ:

آپ نے آج جمہوریت کو کامیابی سے ہمکنار کر دیا۔ آج آپ نے دنیا پر واضح کر دیا کہ نوکر شاہی اور مطلق العنانی دونوں مل کر بھی آپ کو خوفزدہ نہیں کر سکتیں۔ ۱۱ دسمبر ۱۹۱۷ء کا یہ دن' بمبئی کی تاریخ میں جشن مسرت کا دن ہے۔ جایئے اور خوشیاں منایئے۔ آج جمہوریت کی فتح اور سربلندی کا دن ہے۔

اہل بمبئی نے یہ جشن اس انداز سے منایا کہ وہاں جناح میموریل ہال کا سنگ بنیاد رکھ دیا جو آج تک اس بطل حریت کے جذبہء بے باکی کی یاد تازہ کرنے کا محسوس محرک ہے۔ اس میموریل کے قیام کے سلسلہ میں' ایک ہندو لیڈر مسٹر پی۔ ڈی۔ لامؔ نے جو اپیل شائع کی تھی اس کے یہ الفاظ ایک حقیقت کے آئینہ دار ہیں۔ اس نے کہا تھا:

کوئی شخص اگر ''میموریل'' کا مستحق ہے تو وہ صرف مسٹر جناحؒ ہیں۔ جن کی بلند حوصلگی اور بے خوف قیادت نے قومی زندگی میں حقیقتاً ایک نئے دور کا آغاز کر دیا ہے۔ مسٹر جناح کے عزم صمیم میں ہمارے مرحوم لیڈروں دادا بھائی نوروجی اور گوپال کرشن گوکھلے کی روح جلوہ گر نظر آتی ہے..... انہوں نے عوام کے حقوق کی راہنمائی کی ہے اور ایک عظیم المرتبت محبّ وطن کی حیثیت سے' ان کا نام ہمیشہ ہمارے دلوں میں تروتازہ رہے گا..... مسٹر جناح ہر اعتبار سے ایک مستقل حیثیت رکھتے ہیں اور ایک میموریل کے بجا طور پر مستحق ہیں۔

وار کونسل کے معرکے

یہ واقعہ تو لارڈ ولنگڈن کی رخصت کے وقت کا ہے۔ اس کے دور حکومت میں بھی' مسٹر جناحؒ نے اس کے ہر غلط اقدام کی اس شدت اور سختی سے مخالفت کی جس کی' اس زمانہ میں' شاید ہی کوئی اور جرأت کر سکتا۔ جیسا کہ میں پہلے بتا چکا ہوں' وہ زمانہ جنگ کا تھا جس میں انگریز اپنے خلاف خفیف

سے خفیف تنقیدی آواز کو بھی' استبداد کے آہنی شکنجہ سے دبا دینے پر تلا بیٹھا تھا۔ اسی زمانہ کا ذکر ہے کہ لارڈ ولنگڈن نے صوبائی وار کانفرنس کا اجلاس طلب کیا جس میں مسٹر جناحؒ کو بھی' ہوم رول لیگ کے نمائندہ کی حیثیت سے مدعو کیا۔ لارڈ ولنگڈن نے اپنے ایڈریس میں' اہل ہند سے جنگ میں عملی تعاون کی اپیل کی' لیکن اس کے ساتھ ہی ہوم رول لیگ کے راہ نماؤں کی نیت پر حملہ کر دیا۔ اس کے ایڈریس کے فوری بعد مسٹر جناحؒ اسٹیج پر آئے اور اپنی تقریر کا آغاز کرتے ہوئے فرمایا:

مرحلہ کتنا ہی نازک کیوں نہ ہو ہر ہندوستانی اس پر متفق ہے کہ ہندوستان کو سیاسی میدان میں آگے بڑھنا چاہئے۔ قبل اس کے کہ میں آگے بڑھوں اس قلبی اذیت کا اظہار ضروری سمجھتا ہوں کہ ہز ایکسلینسی ہوم رول لیگ کے رہنماؤں کے خلوص و صداقت کو شک و شبہ کی نگاہ سے دیکھ رہے ہیں۔ مجھے اس طرز کلام اور روش پر انتہائی افسوس ہے۔۔ اور ایکسیلنسی کے احترام کے باوجود میں اس طرز عمل کے خلاف اظہار احتجاج کرتا ہوں۔ ہم اپنے ملک کے دفاع کے لئے بے چین ہیں۔ لیکن مشکل یہ ہے کہ حکومت سپاہیوں کی بھرتی چاہتی ہے اور ہم ''نیشنل آرمی'' کا قیام چاہتے ہیں۔ یہی فرق ہے ہم دونوں میں۔ ہمارے نزدیک ''جرمن خطرہ'' سپاہی دور نہیں کر سکتے۔ یہ صرف نیشنل آرمی کر سکتی ہے..... ہم اس وقت تک حکومت کی کوئی مدد نہیں کر سکتے جب تک ہمیں اعتماد میں نہ لیا جائے اور شریک کار نہ بنایا جائے۔

ضمناً۔ مسٹر جناحؒ تو ان جذبات کا اظہار کر رہے تھے' اور' دوسری طرف مسٹر گاندھی' جنہیں آزادی کا اوتار کہہ کر پکارا جاتا ہے' کی کیفیت یہ تھی کہ انہوں نے اپنے ایک انگریز دوست کی معرفت' وائسرائے کو ایک خط بھیجا جس میں لکھا کہ:

میں اپنے ملک والوں کو آمادہ کرنے کی کوشش کروں گا کہ وہ تحریک آزادی کے سلسلہ میں اپنے بڑھے ہوئے قدم پیچھے ہٹا لیں۔ میں کانگریس کے تمام ریزولیوشنز واپس لینے کا مشورہ دوں گا اور دوران جنگ میں ہوم رول یا ذمہ دار حکومت کا نام بھی نہ لوں گا۔ میں کوشش کروں گا کہ مادر ہند کا ہر تندرست سپوت سلطنت کی حرمت پر کٹ مرے۔

مسٹر جناحؒ نے حکومت برطانیہ کی اس پالیسی کے خلاف' وار کونسل کی اسی کانفرنس میں ہی تقریر نہیں کی۔ وہ مختلف مواقع پر اس قسم کے خیالات کا اظہار کرتے رہے اور آخر کار انہوں نے وار کونسل سے اپنا استعفیٰ پیش کر دیا۔ یہ استعفیٰ جس خط کے ساتھ بھیجا گیا وہ ہندوستان کی تاریخ آزادی میں منفرد دستاویز کی حیثیت رکھتا ہے۔ اس میں انہوں نے لکھا کہ:

حکومت ہند نے اور آپ نے زمانہء امن مین ایک ایسی چیز کو رجسٹر قوانین میں شامل کرنا مناسب سمجھا ہے جو حقیقتاً نفرت انگیز اور بلاخوف تردید تشدد آمیز ہے۔ علاوہ ازیں یہ بل پاس کر کے آپ کی حکومت نے اس تمام استدلال پر خط تنسیخ کھینچ دیا ہے جو جنگی کانفرنس میں مدد کے لئے ہندوستانیوں سے اپیل کرتے وقت

پیش کیا گیا تھا۔ آپ نے ان تمام اصولوں کو پاؤں تلے روند دیا ہے جن کے لئے حکومت برطانیہ نے جنگ لڑی تھی۔

انصاف کے بنیادی اصولوں کا عین اس وقت استیصال کیا گیا ہے اور عوام کے آئینی حقوق پر عین اس وقت ڈاکہ ڈالا گیا ہے جب حکومت کو حقیقتاً کسی بھی خطرے کا سامنا نہیں.....

ان حالات کے درمیان مَیں اپنے رائے دہندگان کے لئے کونسل میں ایک عضو معطل کی حیثیت رکھتا ہوں۔ علاوہ بریں ایک ایسے شخص کے لئے جو عزت نفس کا احساس رکھتا ہو' ایک ایسی حکومت کے ساتھ جو عوام کے نمائندوں کی رائے کو نہ تو کونسل میں کوئی اہمیت دیتی ہو اور نہ ہی اسے عوام کے جذبات کا کوئی احترام ملحوظ ہو' تعاون کرنا امر محال ہے۔

میری رائے میں ایک ایسی حکومت جو زمانہء امن میں ایسے قوانین پاس کرتی ہے مہذب حکومت کہلانے کی مستحق نہیں۔

رولٹ ایکٹ

جنگ کے خاتمہ پر' حکومت برطانیہ نے' اہل ہند کے تعاون کا صلہ اس رسوائے زمانہ رولٹ ایکٹ کی شکل میں دیا جس کی رو سے' امرتسر کے جلیانوالہ باغ میں ہزاروں محبوس انسانوں کا قتل' ہلاکو اور چنگیز کی وحشت انگیزیوں اور خوں ریزیوں کی داستانوں کو فراموش کرا دینے کے لئے کافی تھا۔ اس قیامت خیز المیہ کے متعلق بیان دیتے ہوئے مسٹر جناحؒ نے کہا:

رسوائے عالم صدر رولٹ کمیٹی کے ''سٹار چیمبر'' میں وضع کئے ہوئے قوانین جن پر لارڈ چمسفورڈ کی حکومت نے عمل درآمد شروع کیا ہے ایسے ہیبت ناک جرائم پر منتج ہوئے ہیں جن کو نہ تو کوئی آدمی بیان کر سکتا ہے اور نہ عورتوں کے اشکوں کی روانی انہیں دھو سکتی ہے۔ انہیں اپنے اس فیصلے کی قیمت آج نہیں تو کل ضرور ادا کرنی پڑے گی۔ کم از کم ایک بات بلا خوف تردید کہی جا سکتی ہے اور وہ یہ کہ موجودہ طرز حکومت ناقابل برداشت ہے اور اس کی جگہ ایک مکمل ذمہ دار حکومت ہونی چاہئے۔ اس سلسلہ میں کانگریس اور لیگ کے اجلاس زیادہ موثر ثابت نہیں ہوں گے۔ سیکرٹری آف اسٹیٹ کو احتجاجی ریزولیوشن بھیجنے کے بجائے کوئی موثر لائحہ عمل وضع کرنا ہوگا۔ یقیناً ہمیں وہی ذرائع اختیار کرنے پڑیں گے جو فرانس' اٹلی اور مصر میں بروئے کار لائے گئے۔

ایسے ہی تھے مسٹر جناحؒ کے جذبات تہور اور آزادی کے وہ مظاہر جن سے متاثر ہو کر مسٹر گوکھلے جیسے عظیم ہندو راہنما نے کہا تھا کہ:

ہندوستان کو جب بھی آزادی نصیب ہوئی' وہ جناحؒ ہی کی بدولت ہوگی۔

مسٹر جناحؒ کے اس بے لوث کردار کی بنا پر' لوگوں کے دلوں میں ان کا کس قدر احترام تھا' اس کا اندازہ ایک واقعہ سے لگ سکتا ہے۔ وہ کانگریس سے الگ ہو چکے تھے اور اس کے مسلک

کے مخالف تھے۔ اس دوران میں، وہ مرکزی کونسل کی رکنیت کے لئے آزاد امیدوار کی حیثیت سے کھڑے ہوئے۔ ان کا مدمقابل کانگریس کا امیدوار تھا۔ بمبئی کرانیکل چوٹی کا نیشنل روزنامہ تھا۔ اس نے ووٹروں سے مسٹر جناحؒ کے حق میں اپیل کی اور کہا کہ:

ان کی گذشتہ عظیم الشان خدمات، سچی حب الوطنی اور جذبہء حریت ایسی صفات ہیں جو نہ تو کسی سفارش کی محتاج ہیں اور نہ کوئی شخص ان کی عظمت کو کم کرنے کی جرأت کرسکتا ہے۔ علاوہ بریں جناحؒ کے ناقابل تسخیر جذبہء جہاد نے باقی شہریوں کے مقابلہ میں انہیں بہت امتیازی مقام عطا کردیا ہے۔

اور اس کے بعد کہا کہ:

اگر معمولی اختلافات کی بنا پر جناحؒ جیسے قائد کو ملکی خدمات اور قومی جدوجہد کے اس منصب سے محروم کر دیا گیا تو یہ ایک ناقابل فراموش ذلت کا ارتکاب ہو گا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆

میکیاولی سیاست

اس وقت تک ہم مسٹر جناحؒ کی زندگی کے اس حصہ سے متعلق گفتگو کررہے تھے جب وہ ہندوستان کی عمومی سیاست کے لیڈر تھے۔ اب ہم اس وادی میں داخل ہوئے ہیں جہاں وہ ملت اسلامیہ کے قائد کی حیثیت سے سامنے آتے ہیں۔ اس ضمن میں سرآغاز داستاں اتنا واضح کردینا ضروری ہے کہ سیاستِ عالم کا موجودہ دور، میکیاولی کہلاتا ہے۔ جس کا بنیادی نظریہ یہ ہے کہ مقصد کے حصول کے لئے ہر قسم کا حربہ استعمال کرنا جائز ہے۔ لہٰذا اس سیاست میں جھوٹ، فریب، مکاری، عیاری، وعدہ فراموشی، پیماں شکنی وغیرہ سب جائز قرار پاجاتے ہیں۔ جو جس قدر زیادہ شاطر اور چال باز ہو، وہ اسی قدر کامیاب اور نامور لیڈر مانا جاتا ہے اور قوم اس کے مجسمے نصب کرتی ہے۔ اس وادیٔ پُرخار میں قائداعظمؒ کے مدمقابل انگریز، ہندو اور تحریک پاکستان کے مخالف مسلمان سب ''متحدہ محاذ'' بنائے ہوئے تھے۔ میکیاولی سیاست میں انگریز تو استاد کی حیثیت رکھتا تھا، لیکن ہندو، اور (نام نہاد) مسلمان سیاسی لیڈر بھی اس باب میں اس سے پیچھے نہ تھے۔ مسٹر سری پرکاش، ۱۹۴۸ء میں، پاکستان میں ہندوستان کے سفیر تھے۔ انہوں نے ۱۳/نومبر کی شام، کراچی میں ایک تقریر کے دوران کہا تھا کہ:

کسی کو یہ بات پسند آئے یا نہ آئے، لیکن یہ حقیقت ہے جس کا کھلے بندوں اعتراف کرنا چاہئے کہ ہندومت میں کوئی اصول زندگی قطعی اور ابدی نہیں۔ ہر مصلحت کے لئے اس کا الگ اصول ہے۔ ہندومت ایک عملی مذہب ہے۔ وہ جانتا ہے کہ ہر موقعہ پر دیانت اور سچائی سے کام نہیں چل سکتا اس لئے وہ کبھی ایسی تعلیم نہیں دیتا جو ناممکن العمل ہو۔ یہی وہ راز ہے جس کی بناء پر ہندومت ہزاروں سال مختلف حالات اور متبائن ماحول میں زندہ رہا ہے اور زندہ رہے گا۔

(طلوع اسلام۔ دسمبر ۱۹۴۸ء)

مہاتما گاندھی

اس ہندومت کا سب سے بڑا نمائندہ مسٹر گاندھی

تھا۔ جسے اس کی قوم مہاتما کہتی اور ایشور کا اوتار مانتی تھی۔ اس مہاتما کے متعلق قائداعظمؒ نے فرمایا تھا کہ:

ہمیں جس حریف سے پالا پڑا ہے وہ گرگٹ کی طرح اپنا رنگ بدلتا رہتا ہے۔ جب ان کے مفید مطلب ہوتا ہے وہ کہہ دیتے ہیں کہ وہ کسی کے نمائندہ نہیں اور جب ضرورت ہوتی ہے تو سارے ہندوستان کے واحد نمائندہ بن جاتے ہیں۔ ان کا مقصد وہ نہیں ہوتا جو وہ زبان سے کہتے ہیں اور جو ان کا مقصد ہوتا ہے اسے کبھی زبان پر نہیں لاتے۔ جب اور حربوں سے کام نہیں چلتا تو مرن برت رکھ لیتے ہیں۔ جب کوئی دلیل نہیں بن پڑتی تو ''اندرونی آواز'' کو بلا لیتے ہیں۔ کہئے کہ ایسے شخص سے ہم کس طرح بات کر سکتے ہیں۔ وہ تو ایک چیستاں ہیں! معمہ ہیں!!

(طلوع اسلام۔ اکتوبر ۱۹۶۸ء)

تیسرا فریق مقابل، مخالف پاکستان مسلمان تھا۔ اس کے اصول سیاست کیا تھے، اسے، تحریک پاکستان کے سب سے بڑے حریف، ابوالاعلیٰ مودودی، کی ''زبان مبارک'' سے سنئے۔ وہ اپنے ماہنامہ ترجمان القرآن کی مئی ۱۹۵۸ء کی اشاعت میں ایک مبسوط مقالہ میں حسب ذیل ''اصول دین'' بیان فرماتے ہیں:

(۱) زندگی کی بعض ضرورتوں کے لئے جھوٹ بولنا نہ صرف جائز بلکہ شرعاً واجب ہو جاتا ہے۔

(۲) تحریک کے ابتدائی دور میں بلند آہنگ اصول پیش کرنے چاہئیں لیکن جب ان پر عمل کا وقت آئے تو انہیں بالائے طاق رکھ دینا چاہئے۔

(۳) دشمن کو قتل کرانے کے لئے، جھوٹ اور فریب سے کام لینے میں کوئی حرج نہیں۔

(قیامت بالائے قیامت کہ ان میکیاولی اصولوں کو انہوں نے۔۔ معاذ اللہ، صد بار معاذ اللہ، سنت رسولؐ اللہ کہہ کر پیش کیا ہے اور ایسا نہ کرنے میں نہ خوف خدا ان کا گلوگیر ہوا ہے، نہ رسولؐ اللہ سے شرم دامن کش!)

بہرحال، یہ تھے حریف جن سے قائداعظمؒ کو واسطہ پڑا تھا۔ ان کا یہ دس سالہ دور سیاست بھی ساری دنیا کے سامنے ہے۔ اپنے تو ایک طرف ان کے کسی بد سے بدتر دشمن کو بھی یہ کہنے کی جرأت نہیں ہوئی کہ انہوں نے کسی معاملہ میں جھوٹ بولا یا فریب دیا ہو، وعدہ خلافی کی ہو یا بات کر کے مکر گئے ہوں۔ صاف، سیدھی، دوٹوک بات اور پھر اس پر چٹان کی طرح قائم۔ یہی تھی ان کی وہ خصوصیت کبریٰ جس پر خراج تحسین پیش کرتے ہوئے، دنیا کے عظیم ترین اخبار۔۔ لنڈن ٹائمز۔۔ نے ان کی وفات پر لکھا تھا کہ:

انہوں نے اپنی ذات کو ایک بہترین نمونہ پیش کر کے اپنے اس دعویٰ کو ثابت کر دیا کہ مسلمان ایک علیحدہ قوم ہیں۔ ان میں وہ ذہنی لچک نہیں تھی جو انگریز کے نزدیک ہندوستانیوں کا خاصہ ہے۔ ان کے تمام خیالات ہیرے کی طرح قیمتی مگر سخت اور واضح ہوتے تھے۔ ان کے دلائل میں ہندو لیڈروں جیسی حیلہ سازی نہ تھی بلکہ وہ جس نقطۂ نظر کو ہدف بناتے تھے اس پر براہ راست نشانہ باندھ کر وار کرتے تھے۔ وہ

ایک ناقابل تسخیر حریف تھے۔

اقبالؒ کے یہ الفاظ ان پر ٹھیک ٹھیک صادق آتے ہیں۔

وہی ہے بندۂ حر ضرب جس کی ہے کاری
نہ وہ کہ ضرب ہے جس کی تمام عیاری
زمانہ لے کے جسے آفتاب کرتا ہے!
انہی کی خاک میں پوشیدہ ہے وہ چنگاری

اور اس سے ہماری نگاہ کا رخ، اقبالؒ جیسے حکیم الامت کی نظر انتخاب کی طرف پلٹتا ہے۔ مسٹر جناحؒ ہندی سیاست کی بو العجبیوں سے دل برداشتہ ہوکر، گوشہ نشین سے ہو چکے تھے۔ دوسری طرف ہندوستان میں، انگریز اور ہندو کی ملی بھگت ایسے منصوبے بنا رہی تھی جس نے اس ملک میں مسلمانوں کا جداگانہ تشخص تک باقی نہ رہے۔ علامہ اقبالؒ اپنی زندگی کے آخری دور میں پہنچ چکے تھے، اور مسلمانوں کے مستقبل کے احساس سے وہ خون کے آنسو روتے تھے۔ انہیں، ان لیڈروں میں کوئی ایسا نظر نہ آتا تھا جو اس قوم کی کشتی کو ان طوفانوں سے بچا کر، سلامتی کے ساحل کی طرف لے جائے۔ لیکن اقبالؒ تو ایک دیدہ ور تھا اس لئے اس کی نگاہ، سطح سے نیچے اتر کر گہرائیوں تک جا پہنچی اور وہاں اسے وہ گہر تابدار مل گیا جس کی تلاش میں وہ سرگرداں پھر رہا تھا۔ انہوں نے ۲۱ جون ۱۹۳۷ء کو محمد علی جناحؒ کو ایک خط لکھا جس نے تاریخ کے دھارے کا رخ بدل دیا۔۔ میں سمجھتا ہوں کہ اگر حیات قائداعظمؒ کے احوال و کوائف کے متعلق کوئی اور دستاویز باقی نہ رہے تو صرف یہ ایک خط ان کی عظمت کردار، اور بلندیء منصب کی بین شہادت قرار پانے کے لئے کافی قرار دیا جا سکتا ہے۔ انہوں نے اپنے اس خط میں لکھا:

علامہ اقبالؒ کا خط

میں جانتا ہوں کہ آپ بہت مصروف ہیں۔ لیکن مجھے امید ہے کہ میرا آپ کو بار بار لکھنا گراں نہیں گذرتا ہو گا۔ (میرے اس اصرار و تکرار کی وجہ یہ ہے کہ) میری نگاہوں میں اس وقت ہندوستان بھر میں آپ ہی وہ واحد مسلمان ہیں جس کے ساتھ ملت اسلامیہ کو اپنی یہ امیدیں وابستہ کرنے کا حق ہے کہ آپ اس طوفان میں جو یہاں آنے والا ہے، اس کی کشتی کو ثابت و سالم، بہ امن و عافیت، ساحل مراد تک لے جائیں گے۔

اس مکتوب گرامی سے جہاں ایک طرف قائداعظمؒ کی عظمت کردار، نیر درخشاں کی طرح عالمتاب ہو جاتی ہے، دوسری طرف وہ حکیم الامت کی دیدہ وری کی بھی بین شہادت بن جاتا ہے کہ انہوں نے کن حالات میں کس شخص کو سب سے زیادہ قابل اعتماد سمجھا اور آنے والے واقعات نے اسے کس قدر سچ کر دکھایا۔

سستی شہرت کا حصول

عام لیڈروں کی سب سے بڑی خواہش سستی شہرت (Cheap Popularity) حاصل کرنا ہوتی ہے۔ اس کے لئے وہ کون کونسے پاپڑ بیلتے اور کس کس قسم کے حربے استعمال کرتے ہیں، اس کے لئے کسی وضاحت کی ضرورت نہیں، یہ ہم سب کا روزمرہ کا مشاہدہ ہے۔ لیکن قائداعظمؒ تو کسی اور ہی مٹی کے بنے ہوئے تھے۔ انہیں اپنی ذات پر کس قدر اعتماد تھا

اور سستی شہرت حاصل کرنے سے کس قدر نفرت' اس کے لئے میں صرف ایک واقعہ کا تذکرہ کافی سمجھتا ہوں' جو ہے تو معمولی سا' لیکن اس میں حقیقت بہت بڑی پنہاں ہے۔ مسٹر جناحؒ اسمبلی سیشن کے سلسلہ میں گرمیوں میں اکثر شملہ تشریف لایا کرتے تھے' لیکن جب وہ قائداعظمؒ کی حیثیت سے پہلی بار شملہ آئے تو مسلمانان شملہ نے ان کے تاریخی جلوس نکالنے کا فیصلہ اور اہتمام کیا۔ ریلوے اسٹیشن سے وہ ایک کھلے رکشہ میں سوار ہوئے کہ وہاں اسی سواری کی اجازت تھی' اور مال روڈ سے آگے بڑھے۔ مال روڈ پر تو سرکاری دفاتر تھے لیکن آگے جا کر ایک راستہ لوئر بازار کی طرف اترتا تھا جہاں عوام کی آبادی تھی اور وہ ان کے انتظار میں چشم براہ تھے۔ قائداعظمؒ انگریزی لباس میں ملبوس تھے۔ جو ان کا اس زمانے کا معمول تھا اور ان کا سفید رنگ کا بڑا سا ''ٹوپ'' ان کے زانو پر دھرا تھا۔ اس زمانے میں' انگریز دشمنی کی بنا پر' انگریزی ٹوپی کو بڑی نفرت کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا۔ اس مقام پر بعض دوستوں کے دل میں یہ خیال ابھرا کہ لوئر بازار کے مسلمان اپنے ملی راہ نما کو پہلی بار دیکھیں گے۔ وہ متوقع ہوں گے کہ یہ راہنما ''اسلامی لباس'' میں ملبوس ہوگا۔۔ اسلامی لباس سے اس زمانے میں مراد' شیروانی' شلوار یا پاجامہ اور ترکی ٹوپی تھی۔ وہ جب انہیں اس لباس میں دیکھیں گے تو ان پر کچھ اچھا اثر نہیں ہوگا۔ لیکن اس وقت اس سلسلہ میں ہو کیا سکتا تھا۔ بعض احباب نے کہا کہ اور کچھ نہیں تو جناحؒ صاحب سے کہا جائے کہ وہ کم از کم اپنے ''ٹوپ'' کو نیچے رکھ لیں تاکہ وہ نمایاں طور پر دکھائی نہ دے۔ اس جرات مندانہ اقدام کے لئے قرعہء فال مجھ دیوانے پر پڑا' کیونکہ وہ جانتے تھے کہ مجھے قائداعظمؒ سے شرفِ نیاز حاصل تھا۔[1] وقت کی کمی اور جذبات کی تیزی کی وجہ سے میں نے بھی اس اقدام کی نزاکت پر غور نہ کیا اور آگے بڑھ کر' قائداعظمؒ کے کان میں یہ بات کہی۔ انہوں نے اسے سنا' اور اگرچہ اس سے برافروختہ ہوئے لیکن اسی سرگوشیانہ انداز سے مجھ سے کہا کہ کیا تم لوگ مجھے ''مہاتما گاندھی'' بنا دینا چاہتے ہو۔ ویسے ممکن تھا کہ میں اس ٹوپی کو نیچے رکھ دیتا۔ لیکن اب ایسا کرنا منافقت ہوگی جس کی کم از کم مجھ سے توقع نہ رکھو۔ یہ کہا اور اس ٹوپ کو زانوں سے اٹھا کر زیب سر کر لیا اور اسی ہیئت سے جلوس کے راستوں سے گذرے!

مہاتما گاندھی کا بہروپ

چونکہ۔۔ غالبؔ کے الفاظ میں۔۔ لطافت بے کثافت جلوہ پیدا ہو نہیں سکتی۔۔ اس لئے لگے ہاتھوں اس ''مہاتما'' کی زندگی کی بھی ایک جھلک دیکھتے جایئے جس کی طرف قائداعظمؒ نے اشارہ کیا تھا۔ جیسا کہ آپ کو معلوم ہوگا' وہ ایک دھوتی پہنے' تھرڈ کلاس میں سفر کرتے اور دہلی میں بھنگی کالونی میں قیام پذیر ہوتے تھے تاکہ وہ عوام کے لیڈر بن سکیں۔ گذشتہ سال (دسمبر ۱۹۷۵ء میں) لارڈ ماؤنٹ بیٹن کا ایک انٹرویو اخبارات میں شائع ہوا تھا جس میں اس نے' تقسیم ہند کے سلسلہ میں اپنے بعض مشاہدات اور واقعات کا ذکر کیا تھا۔ اس ضمن میں اس نے کہا کہ اس نے ایک دن مسز سروجنی نیڈو سے کہا کہ:

> میں نہیں سمجھ سکا کہ آپ لوگ مہاتما گاندھی کو تھرڈ کلاس میں سفر کرنے اور بھنگیوں کی بستی میں' اچھوتوں کے

1 میں یہاں اپنی ذات کو درمیان میں لانے کے لئے معذرت خواہ ہوں۔ لیکن واقعہ بے کم و کاست بیان کرنے کا یہی تقاضا ہے۔

ساتھ رہنے کی اجازت دے کر اپنی اس قدر قیمتی متاع کے لئے ایسا خطرہ کس طرح مول لیتے ہیں؟

اس کے جواب میں مسز نیڈو نے کہا کہ:

ہم ان کے لئے ریل کے ڈبے کا انتخاب کرتے ہیں۔ اسے اچھی طرح صاف کراتے ہیں، پھر ہم ان لوگوں کا انتخاب کرتے ہیں جنہوں نے ان کے ساتھ سفر کرنا ہوتا ہے اور انہیں اچھوتوں کے سے کپڑے پہنا دیتے ہیں۔ دہلی میں ہم بھنگیوں کی بستی کی صفائی کا خاص طور پر اہتمام کرتے ہیں اور جن لوگوں کو ان کے ساتھ رکھنا مقصود ہوتا ہے، انہیں بھی بھنگیوں جیسے کپڑے پہنا دیتے ہیں۔ اس ''بوڑھے آدمی'' کو اس طرح مفلسی اور غریبی کی حالت میں دکھانے کے لئے کانگریس کو جو کھیل کھیلنا پڑتا ہے، وہ بہت مہنگا پڑتا ہے۔ (طلوع اسلام۔ فروری ۱۹۷۶ء)

اور ایک ''مہاتما'' پر ہی کیا موقوف ہے۔ ان آنکھوں نے ایسے مسٹر دیکھے ہیں جو دن میں دو دو بار شیو کرتے اور سر پر انگریزی فیشن کے بال رکھتے تھے۔ لیکن جب ان کے دل میں مذہبی قیادت کی ہوس نے انگڑائی لی تو سب سے پہلا کام یہ کیا کہ داڑھی بڑھا لی اور سر پر پٹے رکھ لئے اور ایک اسلامی جماعت کے امیر بن گئے۔

بہر حال، یہ تھا قائداعظمؒ کا حسن کردار جس سے متاثر ہو کر لارڈ ماؤنٹ بیٹن جیسے کینہ پرور دشمن کو بھی اعتراف کرنا پڑا کہ:

جناحؒ کی شخصیت بھی بڑی نمایاں اور ممتاز تھی۔ چٹان کی طرح اپنے مقام پر محکم اور سخت اور اس کے ساتھ انتہائی درجہ کا ٹھنڈے دل و دماغ کا انسان۔ یہ ممکن ہی نہیں تھا کہ تم اس کے سینے کی گہرائیوں میں اتر سکو۔ نہایت ذہین و فطین۔ وہ میرے دلائل کو نہایت آسانی سے سمجھ جاتا لیکن اس کے بعد ایسا محسوس ہوتا جیسے اس نے اپنے اور میرے درمیان کوئی پردہ لٹکا دیا ہو۔ وہ تمام دلائل کو ایک طرف رکھ دیتا اور میں ان کے جواب کے لئے اس کے دماغ میں ذرا سا تحرک پیدا کرنے میں بھی ناکام رہتا۔ میں اسے اس کے مقام سے ذرا سا بھی سرکا نہ سکتا۔ (ایضاً)

☆☆☆☆☆☆☆☆☆

انگریز کے خلاف

جن لوگوں کے دل میں تحریک پاکستان کے خلاف خبث باطن اور قائداعظمؒ کے خلاف آتش انتقام شعلہ زن ہے وہ ان کی ذات پر، منجملہ دیگر خرافات، یہ الزام بھی لگایا کرتے ہیں کہ تحریک تقسیم ہند، انگریزوں کی اسکیم تھی اور قائداعظمؒ ان کا آلہ کار تھا۔ میں اس سلسلہ میں دو ایک ایسی شہادات پیش کرنا چاہتا ہوں جن سے واضح ہو گا کہ تحریک پاکستان کے دوران قائداعظمؒ نے ہندوؤں کے ساتھ انگریزوں کو بھی کس طرح لتاڑا، اور کس طرح ہر موقعہ پر ان کے خلاف ڈٹ کر کھڑے ہو گئے۔ جب انہوں نے ۱۹۴۲ء میں دیکھا کہ انگریز، ہندوؤں کی ''ہندوستان چھوڑو'' کی جارحانہ کارروائیوں سے مرعوب ہو کر، ان کی طرف جھکتا جا رہا ہے تو انہوں نے اپنی ایک تقریر میں برملا کہا کہ:

اگر ہندو اور انگریز نے کوئی ایسا سمجھوتہ کر لیا تو غیر ملکی

سنگینوں کی پرواہ نہ کرتے ہوئے جن کے سائے میں کانگریسی راج رچایا جا رہا ہوگا' ہم ملک کے سارے نظام میں زلزلہ ڈال دیں گے اور اسے مفلوج اور معطل بنا کر رکھ دیں گے اسے تسلیم کرنا ہمارے لئے انتہائی اندوہناک اور سنگین نتائج کا موجب ہوگا۔ اس ظالمانہ اقدام سے اس برصغیر کے مسلمانوں کا مستقبل تیرہ وتار ہو جائے گا اور ان کی آزادی پر خط تنسیخ کھنچ جائے گا۔

اس سے پہلے ایک مرتبہ جب مسٹر گاندھی نے بھی قائداعظمؒ کے خلاف یہ الزام عائد کر دیا کہ:

مسلمانوں کے حقوق کے تحفظ کے لئے جناحؒ صاحب کی امیدیں دولت برطانیہ سے وابستہ ہیں۔ کوئی چیز جو کانگریس کرے اور دے' انہیں مطمئن نہیں کر سکتی۔

تو انہوں نے کھٹ سے جواب دیا کہ:

یہ قطعی افترا اور مسلمانان ہند کی توہین ہے جس کا مسٹر گاندھی جیسے مرتبہ کی شخصیت کو مرتکب نہیں ہونا چاہئے تھا۔ میں مسٹر گاندھی کو یقین دلانا چاہتا ہوں کہ مسلمانان ہند اپنی اور صرف اپنی طاقت پر بھروسہ کئے ہوئے ہیں۔ ہم نے اپنے حقوق اور مفادات کے تحفظ کے لئے کانگریس اور برطانیہ دونوں کے خلاف آخری خندق تک لڑنے کا عزم کر رکھا ہے اور کسی دوسرے پر تکیہ نہیں کرنا چاہتے۔

قائداعظمؒ تو یہ کر رہے تھے' اور مسٹر گاندھی' جو قائداعظمؒ کے خلاف اس قسم کے الزامات تراش رہے تھے' ان کی اپنی حالت یہ تھی کہ انہوں نے ۲۲ اکتوبر ۱۹۳۹ء کے جریدہ اسٹیٹسمین میں' برطانوی سامراج کے علیٰ حالہ قائم رکھے جانے کی تائید میں لکھا تھا کہ:

ذرا تھوڑی دیر کے لئے غور کیجئے کہ اگر انگریز اچانک ملک کو خالی کر دیں تو کیا ظہور پذیر ہوگا؟ اگر ملک میں حکومت کرنے کے لئے کوئی بیرونی حکومت موجود نہ ہو تو اس بات سے انکار کرنا مشکل ہے کہ پنجابی خواہ وہ مسلمان ہوں یا سکھ' ہندوستان کو اپنی جولاں گاہ بنا لیں گے..... ہم نے ملک میں جمہوریت کا جو ڈھونگ رچا رکھا ہے تو وہ صرف انگریز کی سنگینوں کی امداد پر منحصر ہے۔ پس اگر کسی کو یہ ضرورت ہے کہ کسی طاقتور عنصر کی دست برد سے ملک کو بچانے کے لئے انگریز یہاں موجود رہیں تو وہ کانگرسی ہندو اور وہ دیگر لوگ ہیں جن کی نمائندگی کا کانگریس کو دعویٰ ہے۔

مسٹر گاندھی کو انگریزوں کے ہندوستان سے چلے جانے کا غم یوں ستا رہا تھا۔ اس کے برعکس' قائداعظمؒ لندن ٹائمز کے ایک مقالہ کا جواب دیتے ہوئے حکومت برطانیہ پر واضح کر رہے تھے کہ:

میں بلاخوف تردید یہ کہنے کی جرأت کرتا ہوں کہ مسلم لیگ' ملت اسلامیہ کی نمائندگی اس سے زیادہ صحیح معنوں میں اور مؤثر طریق پر کر رہی ہے جس طرح کہ ملک معظم کی موجودہ حکومت برطانوی قوم کی کر رہی ہے۔ اگر اخبار ''ٹائمز'' کا یہ خیال ہے کہ حکومت برطانیہ کے سائے میں مسلمانوں کی رضامندی اور

منظوری کے بغیر کوئی فیصلہ ان کے سر منڈھا جا سکتا ہے تو وہ شدید غلط فہمی میں مبتلا ہے۔ مسلمان قطعاً اس کے لئے تیار نہیں کہ اپنی تقدیر اور مستقبل کو کسی دوسرے کے ہاتھ میں چھوڑ دیں۔ یہ آخری فیصلہ خود مسلمان ہی کر سکتے ہیں کہ کیا کچھ ان کے لئے بہتر ہے۔ بنا بریں وہ تمام عناصر جو ہندوستان کے مستقبل کی تشکیل میں حصہ دار ہیں۔ ان سب پر لازم ہے کہ مسلمانوں کو ایک معزز اور ذمہ دار قوم متصور کریں۔

۱۹۴۰ء کے شروع میں کچھ ایسا محسوس ہوا کہ ہندو اور انگریز، ہندوستان کے مستقبل کے متعلق، مسلمانوں کے علی الرغم کوئی اسکیم مرتب کر رہے ہیں۔ اس پر قائداعظمؒ نے راجکوٹ سے بیان شائع کیا، جس میں انتہائی پرجلال انداز میں کہا کہ:

میں انتباہ کئے دیتا ہوں اور مجھے امید ہے کہ وائسرائے اور حکومت برطانیہ پورے طور پر اس حقیقت کو سمجھ لیں گے کہ ماضی کی صورت حال کا اعادہ کیا گیا یا ان ضمانتوں کو پورا نہ کیا گیا جو دی جا چکی ہیں یا ان کا احترام ملحوظ نہ رکھا گیا تو ہندوستان میں نہایت ہی خطرناک صورت حال پیدا ہو جائے گی۔ مسلم ہندوستان ان تمام ذرائع سے جو اس کے اختیار میں ہیں۔ ایسی صورت حال کا مقابلہ کرے گا اور کسی قربانی سے دریغ نہیں کرے گا۔

اسی طرح انہوں نے انگلستان کے اخبار ڈیلی میل کے نمائندہ کو ایک بیان دیا جس میں واشگاف الفاظ میں کہا کہ:

مجھے بتا دینا چاہئے کہ اب ایک بات یقینی ہے اور وہ یہ کہ اسلامی ہندوستان اپنے مستقبل یا اس ملک کے دستور کی تشکیل میں اپنے حقوق کو مسٹر گاندھی کے مفروضہ ٹریبونل یا کسی اور طرز کے ادارے کے رحم و کرم پر نہیں چھوڑے گا۔ نہ اسلامیان ہند اس پر تیار ہیں کہ حکومت برطانیہ کے آخری فیصلہ کو قبول کر لیں ہمارے لئے کیا کچھ بہترین ثابت ہو سکے گا۔ اس کا قطعی اور آخری فیصلہ خود اسلامیان ہند کی منشاء پر موقوف ہے اور وہی اس کے آخری جج ہوں گے۔

(طلوع اسلام۔ اپریل ۱۹۷۶ء)

مونٹ بیٹن کا اعتراف

اس موضوع پر میں عزیزان من! بکثرت دیگر شہادات بھی پیش کر سکتا تھا لیکن قلت وقت اس کی مانع ہے۔ میرا خیال ہے کہ اس سے، خبث باطن کی طرف سے عائد کردہ اس اتہام کی تردید ہو گئی ہو گی کہ تقسیم ہند کی اسکیم برطانیہ کی تخلیق تھی اور قائداعظمؒ اس کے آلہ کار بن کر کٹھ پتلی کا رول ادا کر رہے تھے۔ لیکن ان شہادات میں اگر کسی اضافہ کی ضرورت ہے تو میں اسے بھی پیش کئے دیتا ہوں۔ تقسیم ہند، لارڈ مونٹ بیٹن کے ہاتھوں عمل میں آئی تھی، سال گذشتہ کے اواخر میں بی۔ بی۔ سی لندن سے اس کا ایک انٹرویو براڈ کاسٹ ہوا تھا۔ اس میں، اس سے سوال کیا گیا کہ:

کیا اس وقت، ہندوستان کو متحد رکھنے کا کوئی امکان تھا؟

لارڈ مونٹ بیٹن نے اس سوال کا جواب ان الفاظ میں دیا:

میں ہندوستان گیا ہی اس مقصد کے لئے تھا کہ اسے

کسی طرح متحد رکھ سکوں۔ ہم صدیوں کے بعد اس ملک کو چھوڑ رہے تھے۔ تو چاہتے تھے کہ اسے ایک متحد ملک کی شکل میں چھوڑ کر جائیں۔ اگر ایسا ہو سکتا تو یہ ایک عظیم کارنامہ ہوتا۔ اس کا ٹکڑے ٹکڑے ہو جانا ایک الم انگیز حادثہ تھا جس سے ہندوستان کی قوت پارہ پارہ ہو جاتی۔ لہٰذا میں نے اس مقصد کے لئے انتہائی کوشش کی۔ لیکن اس کی راہ میں ایک ایسا شخص حائل تھا جو پہاڑ کی طرح رکاوٹ بنے کھڑا تھا اور وہ تھا مسٹر محمد علی جناحؒ۔ صدر مسلم لیگ۔ جو شروع ہی سے ''نہ'' کہتا چلا گیا اور اس کے اس ارادہ کو بدلنے کے لئے میری ہر کوشش ناکام رہ گئی۔ مجھے بالآخر اس کے سامنے جھکنا پڑا۔ (طلوع اسلام۔ فروری ۱۹۷۶ء)

میں سمجھتا ہوں کہ اس باب میں' اس سے زیادہ کچھ اور کہنے کی ضرورت نہیں۔

☆☆☆☆☆☆☆☆

گولیوں کے نشانے

قائداعظمؒ کی سیاست کا یہ انتہائی باکمال کارنامہ ہے کہ انہوں نے یہ چومکھی لڑائی اس انداز سے لڑی کہ نہ کوئی ہنگامہ کھڑا کیا' نہ جلاؤ گھراؤ کے فسادات برپا کئے۔ نہ شورشیں اٹھائیں' نہ اینٹ پتھر برسائے۔ صرف اپنے تدبر' فراست اور عظمت کردار سے یہ مہیب جنگ اس طرح جیت لی کہ تاریخ اس پر آج تک انگشت بدنداں ہے۔ اس کے یہ معنی نہیں کہ اس معرکہ آرائی میں ان کے سامنے کوئی خطرات نہیں تھے۔ تحریک کے دوران تو انہوں نے ان خطرات کا ذکر کرنا مناسب نہ سمجھا۔ البتہ تشکیل پاکستان کے بعد' ۱۹۴۸ء میں کراچی کلب میں' انہوں نے' اپنی محترمہ بہن' مس فاطمہ جناح (مرحومہ) کی جانفشانیوں کا تذکرہ کرتے ہوئے کہا کہ:

جن دنوں مجھے برطانوی حکومت کے ہاتھوں کسی وقت بھی گرفتاری کی توقع تھی تو ان دنوں میری بہن فاطمہ ہی تھی جو میری ہمت بندھاتی تھی۔ جب حالات کے طوفان مجھے گھیر لیتے تھے تو میری بہن فاطمہ ہی تھی جو میری حوصلہ افزائی کرتی تھی۔ تفکرات' پریشانیوں اور سخت محنت کے زمانے میں جب گھر آتا تھا تو میری بہن روشنی اور امید کی تیز شعاع کی صورت میں میرا خیر مقدم کرتی تھی۔ اگر میری بہن نہ ہوتی تو میرے تفکرات کہیں زیادہ ہوتے۔ میری صحت کہیں زیادہ خراب ہوتی۔ اس نے لاپروائی سے کام نہیں لیا۔ کبھی شکایت نہیں کی۔ میں آج ایسے واقعات کا انکشاف کرتا ہوں جو غالباً آپ نہیں جانتے۔ ایک وقت ایسا بھی آیا تھا کہ ہمیں ایک عظیم انقلاب کا سامنا تھا۔ ہم گولیوں کی بوچھاڑ میں حتیٰ کہ موت تک کے مقابلہ کے لئے آمادہ اور تیار تھے۔ میری بہن نے ایک لفظ بھی اپنی زبان سے نہیں نکالا' میرے شانہ بشانہ رہی۔ میری انتہائی معتمد رہی اور مجھے سنبھالے رکھا۔ (فاطمہ جناح۔۔ ''میرا بھائی''۔۔ بحوالہ ماہنامہ فکر و نظر۔ اگست ۷۶ء ص ۱۲۰)

اقربا نوازی کے خلاف

لیکن اس قدر جان نثار اور رفاقت شعار بہن کو بھی انہوں نے، کوئی عہدہ دینا تو ایک طرف، مسلم لیگ میں بھی کوئی منصب تفویض کرنا پسند نہ کیا کہ اس میں اقربا نوازی کا شائبہ ہوتا جس نے ہماری حیات ملی کو تباہ کر کے رکھ دیا ہے۔ قائداعظمؒ کا کوئی بیٹا نہیں تھا۔ ایک بیٹی تھی۔۔ نہایت چہیتی بیوی کی۔۔ چہیتی یادگار بیٹی۔۔ لیکن جب اس نے (ننھیال کے اثرات کے تحت جہاں اس نے پرورش پائی تھی) ایک غیر مسلم سے شادی کر لی تو قائداعظمؒ نے کہہ دیا کہ وہ اس کا منہ نہیں دیکھنا چاہتے اور جیتے جی انہوں نے اس کا منہ نہیں دیکھا۔ اقربا نوازی کا ایک موقعہ ان کے سامنے آیا جسے ان کی دوسری ہمشیرہ، محترمہ شیریں بائی نے ان الفاظ میں بیان کیا ہے:

جب مرحوم چندریگر نے قائداعظمؒ کے لائق بھانجے، اکبر پیر بھائی کو مقامی مسلم لیگ کی کسی ذیلی کمیٹی کا چیئرمین بنانے کی تجویز قائداعظمؒ کو پیش کی تو انہوں نے اسے یہ کہہ کر مسترد کر دیا کہ اکبر کی سب سے بڑی نااہلیت[1] یہ ہے کہ وہ میرا رشتہ دار ہے۔ (جنگ کراچی۔ ۹ جولائی ۱۹۷۲ء۔ بحوالہ ماہنامہ فکر و نظر۔ اگست ۱۹۷۶ء)

سامان جنگ

اس سے آپ قائداعظمؒ کے حسن کردار ہی کا نہیں، دور نگہی اور مآل اندیشی کا بھی اندازہ لگا لیجئے۔ اس کے ساتھ، یہ بھی دیکھئے کہ اس مرد جلیل نے یہ ساری لڑائی کس ساز و سامان کے ساتھ لڑی تھی۔ انہوں نے اپنی ایک تقریر میں پہلے ان مشکلات کا ذکر کیا جو حصول پاکستان کی راہ میں درپیش تھیں اور کہا کہ ''اگرچہ میں نے یہ بات صاف اور واشگاف الفاظ میں بیان کر دی ہے، لیکن میں شکست تسلیم کرنے کا بھی قائل نہیں۔ مجھے اپنی قوم پر پورا بھروسہ ہے''۔ اس کے بعد انہوں نے کہا:

اورنگ زیب روڈ (نئی دہلی) پر میری نجی قیام گاہ کو شاید رشک کی نگاہوں سے دیکھا جائے مگر یہ تو دیکھئے کہ ہمارا سیکرٹریٹ کہاں ہے اور فوج کہاں! میرا تمام اسلحہ خانہ اس قدر ہے۔۔ ایک اٹاچی کیس (جسے انہوں نے جلسہ میں نمایاں کر کے دکھایا تھا) ایک ٹائپ رائٹر اور ایک پرسنل اسسٹنٹ۔ (بس یہ ہے ہمارا ساز و یراق اور اسلحہ اور فوج)

سچ کہا تھا اقبالؒ نے کہ:

نگہہ بلند، سخن دل نواز، جاں پُرسوز
یہی ہے رختِ سفر میرِ کارواں کے لئے

اس ساز و سامان کے ساتھ لڑنے والا قائد، کبھی لڑائی نہیں ہارتا۔ قائداعظمؒ کے اپنے الفاظ میں:

اخلاقی قوت، دلیری، محنت اور استقلال، وہ چار ستون ہیں جن پر انسانی زندگی کی پوری عمارت، تعمیر کی جا سکتی ہے۔ میں کبھی ناکامی کے لفظ سے آشنا نہیں ہوا۔

قائداعظم کی صحت

لیکن ان چار میں ایک اور عنصر کو بھی شامل کرنا چاہئے اور وہ ہے خون جگر۔۔ جس کے بغیر اقبالؒ کے الفاظ میں، ہر نقش ناتمام رہ جاتا ہے۔ شعرِ اقبالؒ میں تو ''خون جگر'' کے الفاظ استعارہ کے طور پر استعمال ہوئے ہیں، لیکن

1۔ انہوں نے غالباً انگریزی میں (Disqualification) کہا ہوگا۔

قائداعظمؒ نے سچ مچ اپنے خون جگر سے اس نقش کی تکمیل کی۔ یہ داستان عبرت آموز بھی ہے اور دل سوز بھی جسے میں باچشم نم بیان کرسکوں گا۔ آپ بھی دل تھام کر سنئے۔ قائداعظمؒ کی صحت ایک عرصہ سے خراب چلی آ رہی تھی۔ محترمہ مس فاطمہ جناح (مرحومہ) کا بیان ہے کہ:

ہم ۱۹۴۰ء میں بمبئی سے دہلی اسمبلی کے اجلاس میں شرکت کے لئے روانہ ہوئے کچھ دنوں سے قائداعظمؒ کو بخار کی شکایت تھی۔ قائداعظمؒ نے کھانا کھایا اور بستر پر لیٹ گئے۔ اچانک انہوں نے اونچی اونچی آہیں بھرنا شروع کر دیں جیسا کہ کسی آدمی کو گرم لوہے کی سلاخ سے چھوا جائے۔ میں اسی لمحے ان کے پاس پہنچی اور تکلیف کی وجہ دریافت کی اور قائداعظمؒ نے ہاتھ کے اشارے سے دردزدہ جگہ کی نشان دہی کی۔ درد کی شدت سے ان کی قوت ناطقہ جواب دے چکی تھی۔ میں نے دردزدہ جگہ کو ہاتھ لگایا تو ناامید ہو کر اگلے اسٹیشن کے آنے کا انتظار کرنے لگی تاکہ گرمائش دینے کے لئے گرم پانی کی بوتل کا انتظام کروایا جائے۔ اگلے چند لمحوں میں گاڑی کے رکنے کی آواز آئی تو میں نے گارڈ کو بلوایا اور گرم پانی کی بوتل لانے کو کہا۔ نیپکن میں لپیٹ کر بوتل کو دردزدہ جگہ پر رکھا جس سے درد میں کچھ کمی محسوس ہوئی۔ (''میرا بھائی''۔ صفحہ ۴)

اسی طرح مرحومہ نے ایک اور واقعہ کا ذکر کیا ہے۔ انہوں نے لکھا ہے:

۱۹۴۱ء میں ہم بمبئی سے مدراس روانہ ہوئے جہاں قائداعظمؒ نے آل انڈیا مسلم لیگ کے اجلاس کی صدارت کرنی تھی۔ جب ہماری گاڑی مدراس سے کچھ دور تھی تو قائداعظمؒ اپنی نشست سے اٹھے۔ میں یہ دیکھ کر پریشان ہوئی کہ وہ چند قدم چل کر ریل کی لکڑی سے بنے ہوئے فرش پر گر پڑے۔ میں فوراً ان کے پاس پہنچی اور تکلیف کی وجہ معلوم کی' تو قائداعظمؒ ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ بولے کہ میں تھکن اور کمزوری محسوس کرتا ہوں اور پھر قائد میرے کندھوں کا سہارا لے کر اپنے برتھ کی طرف بڑھے۔ خوش قسمتی سے گاڑی اسٹیشن پر پہنچی جہاں ہزاروں مسلم لیگی قائد کا استقبال کرنے کھڑے قائداعظمؒ زندہ باد کے نعرے لگا رہے تھے۔ میں نے دروازہ کھولا اور زور سے چلا کر کہا کہ زیادہ شور نہ کریں کیونکہ قائداعظمؒ تھکان اور بخار کی وجہ سے بستر پر ہیں دوڑ کر ڈاکٹر لے آئیں۔ چند لمحوں میں ڈاکٹر حاضر ہوا' اس نے معائنے کے بعد کہا کہ فکرمند ہونے کی کوئی ضرورت نہیں ہے ذرا نبض گر گئی تھی۔ (''میرا بھائی''۔ صفحہ ۴)

صحت کی اس قدر کمزوری کا تقاضا تھا کہ قائداعظمؒ آرام کرتے۔ مرحومہ کا بیان ہے کہ وہ جب بھی انہیں آرام کرنے کے لئے کہتیں تو وہ جواب میں کہتے کہ:

فاطمہ! کیا تم نے کبھی یہ سنا ہے کہ ایک جرنیل چھٹی پر چلا جائے جبکہ اس کی فوج اپنی بقا اور سلامتی کی جنگ میں مصروف ہو۔! (''میرا بھائی''۔ صفحہ ۱۳)

خاموش

اس جرنیل نے چھٹی نہ لی اور محض اپنی قوتِ ارادی اور مقصدِ پیش نظر سے عشق کے بل بوتے پر مسلسل اور پیہم مصروفِ جنگ رہا۔ بلکہ پہلے سے بھی زیادہ شدت اور تن دہی کے ساتھ۔ لیکن قوتِ ارادی' فطرت کے ہر اٹل قانون کا کب تک اور کہاں تک مقابلہ کرتی۔ آخر کار ایک ایسا واقعہ ظہور میں آیا جسے اس شہید ملت نے خاص اہتمام سے راز میں رکھا۔ حتیٰ کہ اس میں' اپنی زندگی کی سب سے زیادہ معتمد علیہ راز داں' بہن کو بھی شریک نہ کیا۔ یہ راز' راز ہی رہتا اگر اسے' لارڈ ماؤنٹ بیٹن' کی ذاتی ڈائری کے اوراق افشا نہ کرتے۔ یہ ڈائری حال ہی میں (Freedom at Midnight) نامی کتاب میں شائع ہوئی ہے۔ اس میں بتایا گیا ہے کہ اپنی تیزی سے گرتی جانے والی صحت کے متعلق' قائداعظمؒ نے اپنے ذاتی ڈاکٹر (جو پارسی تھا) سے مشورہ کیا۔ اس نے ''ایکسرے'' لے کر کہا کہ آپ کے دونوں پھیپھڑے بری طرح دق آلود ہو چکے ہیں۔ اگر آپ نے کامل آرام اور سکون اختیار نہ کیا تو آپ زیادہ دن زندہ نہیں رہ سکیں گے۔ آپ کو معلوم ہے کہ اس پر قائداعظمؒ نے کیا کہا؟ انہوں نے ڈاکٹر سے کہا کہ نہ اس ایکسرے کو کسی کے سامنے آنا چاہئے اور نہ ہی اس بات کا تذکرہ تمہاری زبان پر۔ چنانچہ ایکسرے کی وہ فلم بھی سربمہر ہو گئی اور ڈاکٹر اور مریض کے لب بھی سل گئے۔ آپ کو معلوم ہے کہ اس راز کو سربمہر رکھنے سے مقصد کیا تھا؟ اسے' اس کتاب کے مصنفین کی زبان سے سنئے۔ انہوں نے لکھا ہے کہ:

> اگر مونٹ بیٹن' جواہر لال نہرو یا مہاتما گاندھی' اپریل ۱۹۴۷ء میں اس سربمہر راز سے واقف ہو جاتے تو تقسیم ہند کا حادثہ کبھی رونما نہ ہوتا۔

اس مردِ مجاہد نے' اس ''حادثہ'' کو رونما کرنے کے لئے' اپنے خونِ جگر کا آخری قطرہ تک نچوڑ کر رکھ دیا۔ اس کا خون جگر رنگ لایا۔ اس نے جان دے کر' اس عظیم مملکت کو حاصل کر لیا اور بلا مزد و معاوضہ ہم نااہلوں کو اس کا وارث بنا کر خاموشی سے دنیا سے چلا گیا۔ ان کی وفات پر' دنیا بھر کے عظیم مشاہیر نے (جن میں دوست اور دشمن سب شامل تھے) انتہائی احترام و تکریم کے ساتھ ان کی بارگاہ میں خراج تحسین پیش کیا۔ اگرچہ ان گل ہائے عقیدت کی ایک ایک پتی اپنی جگہ منفرد اہمیت کی حامل ہے' لیکن میں سمجھتا ہوں کہ مسز سروجنی نیڈو نے (قائداعظمؒ کی زندگی میں) ان کے متعلق' جو کچھ کہا تھا' وہ ان کی عظمت کردار کی سب سے زیادہ درخشندہ دلیل ہے۔ اس نے کہا تھا کہ:

> میں بڑی مدت سے مسٹر جناح کو جانتی ہوں۔ ان کے بارے میں خواہ کوئی رائے بھی قائم کی جائے لیکن میں یہ پورے وثوق کے ساتھ کہہ سکتی ہوں کہ انہیں کسی قیمت پر بھی خریدا نہیں جا سکتا۔

ناقابل خرید

میں ان کے اس ناقابل خرید کردار کی کئی مثالیں پیش کر سکتا ہوں لیکن قلت وقت کی بنا پر سردست دو ایک واقعات پر اکتفا کرنا چاہتا ہوں۔ ۱۹۳۵ء کے گورنمنٹ آف

انڈیا ایکٹ کے ماتحت، ہندوستان کو فیڈریشن بنانے کی اسکیم پیش کی گئی تو قائداعظمؒ نے اس کی سختی سے مخالفت کی۔ انگریز کی انتہائی خواہش تھی کہ وہ اسکیم پروان چڑھ جائے۔ قائداعظمؒ کو ہم نوا بنانے (بلکہ یوں کہئے کہ خریدنے کے لئے) برطانیہ کے وزیراعظم لارڈ رمزے میکڈانلڈ نے انہیں ذاتی ملاقات میں کہا کہ:

اگر سنہا ایک صوبے کا گورنر بن سکتا ہے تو کوئی اور بھی بن سکتا ہے۔ اگر سنہا لارڈ کا خطاب حاصل کر سکتا ہے تو کوئی اور بھی حاصل کر سکتا ہے۔

اس نے سمجھا کہ صوبے کی گورنری یا لارڈ کا خطاب اتنی بیش بہا قیمت ہے جس کے عوض کسی ہندوستانی کو بھی آسانی سے خریدا جا سکتا ہے۔ لیکن آپ کو معلوم ہے کہ اس کے جواب میں قائداعظمؒ نے کیا کہا۔ انہوں نے ایک لفظ بھی نہ کہا اور خاموشی سے وزیراعظم کے کمرے سے باہر نکلنے لگے۔ اس پر رمزے میکڈانلڈ بے حد متعجب ہوا، اور قائداعظمؒ سے، الوداعی الفاظ کہنے کے ساتھ، یہ پوچھ ہی لیا کہ آپ کا ایسا ردعمل کیوں ہے؟ قائداعظمؒ نے اس کے جواب میں انتہائی متانت سے کہا کہ:

اب میں آپ سے آئندہ کبھی نہیں ملوں گا۔ کیونکہ آپ مجھے بکاؤ مال سمجھتے ہیں۔ (بحوالہ چٹان۔ ۱۶ اگست ۱۹۷۶ء)

سچ ہے:۔

آئینِ جواں مرداں حق گوئی و بے باکی
اللہ کے شیروں کو آتی نہیں روباہی

یہ تو ایک صوبے کی گورنری کی پیش کش تھی۔ اس کے بعد ایک ایسا وقت آیا جب انہیں پورے ہندوستان کی حکومت کی پیشکش کی گئی۔ ۱۹۴۰ء کی قرارداد پاکستان کے بعد، تقسیم ہند کی اسکیم کی مخالفت کرتے ہوئے کانگریس کے بزرگ ترین لیڈر، مسٹر راج گوپال اچاریہ نے کہا کہ:

'اگر ملکِ معظم کی حکومت ایک ہنگامی نیشنل گورنمنٹ کی تشکیل پر آمادہ ہو تو میں کانگریسی رفقاء کو اس پر راضی کرنے کی کوشش کروں گا کہ مسلم لیگ اپنا وزیراعظم نامزد کر دے اور اسے قومی حکومت متشکل کرنے کا موقعہ دے۔ میں نے شروع ہی میں مسٹر جناح کو یہ پیشکش اس لئے نہیں کی کہ وہ اسے بجا طور پر اپنی ہتک خیال کرتے ہوئے یہ دندان شکن جواب دے سکتے تھے کہ میں ملازمتوں کے پیچھے نہیں پڑا ہوا۔ (طلوع اسلام۔ جون ۱۹۷۶ء)

قائداعظمؒ نے اسمبلی تقریر میں (جس کا شمار ان کی اہم ترین تقاریر میں ہوتا ہے) اس کے جواب میں کہا کہ:

اگر مسٹر ایمرے (یعنی نمائندہ حکومت برطانیہ) اس تجویز کو منظور کر لیتے اور اس کے بعد مجھے یہ پیشکش کی ہوتی تو کیا یہ اس وقت بھی میری طرف سے اس کا وہی دندان شکن جواب نہیں ہو سکتا تھا کہ مسٹر ایمرے اور راج گوپال اچاریہ، دونوں میری ہتک کر رہے ہیں۔ میں ملازمتوں کے پیچھے نہیں پڑا ہوا ہوں۔

اعلانِ جنگ

اور اس کے بعد، اس تقریر کے آخر میں، یہ غلغلہ انگیز اعلان کیا کہ:

ہم نے آخری اور حتمی فیصلہ کرلیا ہے کہ پاکستان ہمارا واحد نصب العین ہے۔ ہم اس کی خاطر مسلسل جدوجہد کریں گے اور اپنی جانیں تک قربان کردیں گے۔ کسی کو بھی اس بارے میں غلط فہمی نہیں رہنی چاہئے۔ جمہوری نظام حکومت کا جنازہ نکل چکا ہے۔ ہماری تعداد بے شک کم ہے لیکن حکومت کو معلوم ہونا چاہئے کہ اگر ہم اس کا تہیہ کرلیں تو قلت تعداد کے باجود، ہم تمہارے لئے اس سے سوگنا مشکلات پیدا کرسکتے ہیں جو کانگریس نے آج تک کی ہیں۔ یہ ایک دھمکی نہیں، بلکہ ایک حقیقت کا اعلان ہے جس سے میں تمہیں متنبہ کردینا چاہتا ہوں۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆

اب میں، عزیزان من! قائداعظمؒ کی شخصیت کے ایک اور گوشے کی ہلکی سی جھلک سامنے لانا چاہتا ہوں۔ عام طور پر تاثر یہ ہے کہ وہ ایک حاروبا بس قسم کے قانون دان اور منطقی مزاج انسان تھے جن میں حس لطیف کا شائبہ تک نہیں ہوتا۔ یہ صحیح نہیں۔ ان کی شخصیت، علامہ اقبالؒ کے اس مثالی کردار کی زندہ پیکر تھی جس کے متعلق انہوں نے کہا ہے کہ:

تنے پیدا کن از مشتِ غبارے
تنے محکم تراز سنگیں حصارے
درونِ او دلِ درد آشنائے
چو جوئے در کنارِ کوہسارے

ان کے آہنی پیکر میں قلبِ سلیم بریشم کی طرح نرم تھا اور پھول کی طرح شگفتہ تھا۔ ان کے ذوقِ سلیم کے ضمن میں اس واقعہ کو سامنے لائیے کہ ''گاندھی۔ جناح خط وکتابت'' کے سلسلہ میں، مسٹر گاندھی نے اپنے ایک خط میں پوچھا کہ آپ فرمائیے کہ میں آپ کو کس القاب سے خطاب کیا کروں۔ قائداعظمؒ نے اس کے جواب میں لکھا کہ:

آخر میں مجھے اس بات کا شکریہ ادا کرنا ہے کہ آپ یہ جاننے کے لئے بے تاب ہیں کہ میں اپنے نام کے ساتھ کس لقب کو پسند کروں گا۔ آخر ان القابوں میں رکھا کیا ہے؟ گلاب کے پھول کو کسی نام سے بھی پکاریئے۔ اس کی دلآویز خوشبو میں کوئی فرق واقع نہیں ہوگا۔ اس لئے میں اس معاملہ کو آپ ہی کی پسند پر چھوڑتا ہوں۔ اس سلسلہ میں میری اپنی کوئی خواہش نہیں۔ یقین فرمائیے کہ میں ابھی تک یہ بھی نہیں سمجھ سکا کہ لقب کے معاملہ میں آپ کو میرے متعلق اس قدر تشویش کیوں لاحق ہے!

خط کے آخری فقرہ میں، مسٹر گاندھی کے تحت الشعور میں اتر جانے والا جو نرم و نازک نشتر ہے، اس کی برجستگی کا اندازہ کوئی ماہرِ نفسیات ہی لگا سکتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ مسٹر گاندھی کے معاملہ میں قائداعظمؒ کی یہ حسِ لطیف خاص طور پر مچل جایا کرتی تھی۔ ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ ہندوستان کے تمام نیشنل اخبارات نے ایک واقعہ کو شہ سرخیوں کے ساتھ اچھالا۔ کہا یہ گیا کہ کل شام مہاتما جی، شیوگاؤں میں اپنی کٹیا میں تنہا پرارتھنا میں محو تھے کہ باہر سے ایک بہت بڑا سانپ کٹیا میں آ گیا۔ مہاتما جی کو اس پر ذرا سا بھی تردد نہ ہوا۔ وہ بدستور پرارتھنا میں محو رہے۔ سانپ نے مہاتما جی کے گرد ایک چکر لگایا اور جس طرح چپکے

سے آیا تھا' اسی طرح چپکے سے باہر نکل گیا۔ اخبارات نے اسے مہاتما جی کی بہت بڑی کرامت قرار دیا اور ملک بھر میں اس واقعہ کی دھوم مچ گئی۔ کچھ صحافی قائداعظمؒ کے پاس آئے اور ان سے پوچھا کہ آپ نے اخبارات میں یہ واقعہ پڑھا ہے۔ آپ نے کہا کہ ہاں! پڑھا ہے۔ انہوں نے پوچھا کہ کیا آپ کے نزدیک یہ واقع صحیح ہوسکتا ہے یا محض پراپیگنڈہ ہے۔ آپ نے کہا کہ یہ صحیح ہوسکتا ہے۔ پوچھا کہ سانپ کے اس طرزِ عمل کی آپ کے نزدیک کیا توجیہہ ہے۔ فرمایا کہ (Professional Etiquette) یہ جواب وہ ہے جس کا لطف تو لیا جاسکتا ہے' تشریح نہیں کی جاسکتی۔ یہ دو لفظ ملک کی ساری فضا میں پھیل گئے اور مہاتما جی کو منہ چھپائے نہ بنی۔ یہ تھی اس مردِ آہن کی حس لطیف اور ذوقِ شگفتگی۔

اور آخر میں ایک ایسا واقعہ جس کی یاد مجھے زندگی بھر نہیں بھول سکتی۔ اکثر لوگوں کو اس پر تعجب ہوتا ہے کہ میری اور قائداعظمؒ کی پوزیشن میں اس قدر بعد کے باوجود' وہ کونسی بات تھی جس کی وجہ سے مجھے ان سے اس قدر قرب حاصل تھا۔ میرے اس زمانے کے قریبی احباب تو اس راز سے واقف تھے لیکن میں نے خود اس کا ذکر بہت کم کیا ہے۔ میرے اس قرب کی وجہ تھی ان کا قرآنی ذوق۔ مجھے اس کی اجازت تھی کہ میں پہلے سے وقت لئے بغیر' ان کی فرصت کے اوقات میں حاضر خدمت ہوجایا کروں۔ میں جب بھی حاضر ہوتا پیش آمدہ اہم معاملہ کے بعد' قرآن کریم کے کسی نہ کسی اہم مقام پر بات شروع ہو جاتی۔ میں نے ان جیسا ذکی الفہم انسان بہت کم دیکھا ہے۔ ان کی کیفیت یہ تھی کہ۔۔ خارے دیدو احوالِ چمن گفت۔۔ ذرا سے نکتہ سے پوری کی پوری بات فوراً سمجھ لیتے تھے۔ یہ غالباً مارچ ۱۹۴۷ء کا ذکر ہے کہ ایک نشست میں میں نے قرآن مجید کے کسی مقام کی تشریح کرتے ہوئے کہا کہ حضورؐ نبیء اکرم کی ساری عمر (شریف) اپنے مقصد کے حصول میں جانکاہ مشقتیں اٹھاتے ...... گزر گئی۔ ایسا نظر آتا ہے کہ کسی وقت حضورؐ کے قلب مطہر میں یہ حسین و معصوم سی آرزو ابھری کہ ابرالہا! میں اپنے مقصد کو اپنی آنکھوں کے سامنے حاصل ہوتے دیکھ سکوں گا یا میری زندگی اسی تگ و تاز میں گزر جائے گی؟ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کا جواب یہ ملا کہ **ان مـــــا نرینک بعض الذی نعدھم اونتو فینک۔ فـانـمـا عليک البلاغ و علینا الحساب** ‹۴۰/۱۳› جو کچھ تمہارے پروگرام کے مخالفین سے کہا جارہا ہے' وہ تیری زندگی میں تیرے سامنے آجائے یا اس سے پہلے ہی تیری وفات ہو جائے۔ اس سے تجھے کچھ سروکار نہیں۔ تیرا کام اس پیغام کو عام کئے جانا ہے۔ یہ دیکھنا ہمارا کام ہے کہ ہمارے قانون مکافات کے مطابق اس کا نتیجہ کب سامنے آتا ہے؟ میں رواروی میں یہ کچھ کہہ تو گیا لیکن میں نے دیکھا کہ ان کے چہرے پر افسردگی سی چھا گئی۔ آنکھوں میں آنسو ڈبڈبا آئے (ان کی آنکھوں میں آنسو' بہت کم لوگوں نے دیکھے ہوں گے!) یہ دیکھ کر میرا کلیجہ دھک سے رہ گیا۔ میں نے پوچھا کہ آپ پر یہ کیفیت کیوں طاری ہوگئی۔ فرمایا کہ میں نے سوچا کہ جب اللہ تعالیٰ نے ایسی عظیم ہستیؐ کے لئے بھی ذرا سی رعایت روا نہیں رکھی اور صاف کہہ دیا کہ یہ ہمارے قانون کے مطابق واقع ہوگا' خواہ تمہاری زندگی میں ہو اور خواہ اس کے بعد۔۔ تو

ہم کس باغ کی مولی ہیں۔ وہ ہماری خاطر اپنے قانون میں کیوں رعایت برتنے لگا۔ اس لئے معلوم نہیں کہ ہم اپنی آنکھوں سے پاکستان بنتے دیکھ سکیں گے یا نہیں؟ اس پر مجھے احساس ہوا کہ مجھ سے نادانستہ کیا غلطی ہوگئی۔ میرے مضراب نے ان کے کس تارِ رگِ جان کو چھیڑ دیا؟ میں نے اس احساس کی شدت کو کم کرنے کے لئے کہا کہ نہیں! حضورؒ کے مقصد کا حصول حضورؒ کی حیاتِ طیبہ ہی میں ہوگیا تھا۔ فرمایا کہ یہ الگ بات ہے۔ لیکن خدا نے اپنے قانون میں تو کوئی رعایت نہیں برتی تھی۔ یہ کہہ کر وہ پھر ایک گہری سوچ میں ڈوب گئے۔ اس وقت تو مجھے اس کا علم و احساس نہیں تھا، لیکن اب معلوم ہوتا ہے کہ اس گہری سوچ میں ان کے پیشِ نظر (شاید) اپنے پارسی معالج کے سیف میں محفوظ رکھا ہوا وہ ایکسرے ہوگا جسکا تذکرہ اب ماؤنٹ بیٹن نے کیا ہے۔ میں رخصت ہونے لگا تو فرمایا کہ عزیزم! جو کچھ میں نے کہا ہے اس سے کوئی غلط مفہوم نہ لے لینا۔ قانون خداوندی کے بے لچک ہونے کے ساتھ، ہمیں اپنے سامنے اسوۂ رسولؐ اللہ رکھنا چاہئے۔ حضورؒ نے اس جواب ملنے کے بعد، اپنی تگ و تاز میں کسی قسم کی کمی نہیں کر دی تھی۔ ہمیں بھی اپنی جدوجہد بدستور رکھنی چاہئے اور نتیجہ کا انتظار خدا کے قانون کے مطابق کرنا چاہئے۔۔ ہمیں بھی اپنے مقصد کی صداقت پر یقینِ محکم ہے۔ اعلان پاکستان کے بعد جب میں ان کی خدمت میں حاضر ہوا تو میں نے اس عدیم النظیر کامیابی پر ہدیۂ تبریک پیش کرنے کے بعد، مندرجہ بالا واقعہ کی یاد دلائی، تو ہنس کر فرمایا کہ نبی اکرمؐ کے اسوۂ حسنہ نے بات بنا دی۔ ورنہ خدا کا جواب تو بڑا روکھا پھیکا تھا۔ یہ تھی قائداعظمؒ کے قلب سلیم کی ایک مثال۔

یہ تھا وہ شیرِ بیشۂ حریت و صداقت جس کے آہنی عزم اور عظمتِ کردار نے وہ کچھ کر دکھایا جس پر ساری دنیا کے اربابِ دانش و بینش ششدر و حیران ہیں اور اس کی بارگاہ میں خراجِ تحسین پیش کرنے پر مجبور۔ نظریۂ پاکستان کی صداقت (کہ جو اسلام ہی کا دوسرا نام ہے) اور اس کے قائد کی قوتِ ایمانی اور جوہر کردار۔ یہ تھیں وہ قوتیں جنہوں نے اس ناممکن کو ممکن بنا دیا تھا۔

اس بطلِ جلیل کے بعد کیا ہوا، یہ ہماری تیرہ بختی کی شب دراز کی دل خراش داستان ہے جسے چھیڑنے کا یہ وقت نہیں۔ سرِ دست میں اتنا کہہ کر اس خطاب کو ختم کر دینا چاہتا ہوں کہ: ع

پھر اس کے بعد چراغوں میں روشنی نہ رہی

والسلام

متفقین تحریک طلوع اسلام کے نام نمائندہ بزم لاہور کا

کھلا خط

جیسا کہ آپ جانتے ہیں کہ بزم طلوع اسلام لاہور جو ایک مرکزی بزم ہے' سالہا سال سے یہ محسوس کر رہی ہے کہ وہ اپنے لئے مالکانہ حقوق پر کسی مناسب جگہ کا انتظام کر سکے۔ ظاہر ہے کہ اس پروگرام کو پایہ تکمیل تک پہنچانے کے لیے کثیر رقم مطلوب ہوگی جس کے لیے آپ کا عملی تعاون اشد ضروری ہے۔

اس سلسلے میں ایک تجویز یہ بھی ہے کہ وہ احباب جو معاشرتی اعتبار سے اپنی ذمہ داریوں سے کافی حد تک ہی سہی عہدہ برآ ہو چکے ہوں اور ان کے پاس مالی وسائل (خواہ وہ شہری ہو یا دیہاتی' زرعی زمین کی شکل میں ہو یا سکنی پلاٹ کی شکل میں) ہوں اور وہ انہیں اس پروگرام کی تکمیل کے لیے پیش کر سکیں تو ان کی یہ مالی امداد ہمارے اس پراجیکٹ کو پایہ تکمیل تک پہنچانے میں یقیناً ممد و معاون ثابت ہوگی۔ اس تجویز کو عملی جامہ پہنانے کے لیے نمائندہ بزم لاہور کا پیشگی شکریہ قبول کیجئے۔

رابطے کے لئے منتظر

محمد اشرف ظفر

مثال کی مطبوعات

میں کرسچن کیوں نہیں ہوں؟ — ڈاکٹر شبیر احمد' فلوریڈا

نئی صدی کس کی ہے — ڈاکٹر شبیر احمد' فلوریڈا

ہندو اور رام راج کے خواب — ڈاکٹر شبیر احمد' فلوریڈا

قرآن فہمی کے قرآنی قوانین

﴿جنہیں پیش نظر رکھ کر آپ خود قرآن کریم کو سمجھ سکتے ہیں۔﴾

ملنے کا پتہ :- مثال پبلشنگ 20 حبیب بنک بلڈنگ' چوک اردو بازار' لاہور

ناٹنگھم' انگلینڈ میں بزم خواتین کا قیام

درس قرآن کا اہتمام

درس وقت :- ہر اتوار 3 بجے بعد دوپہر

مقام :- 101 GRASSINGTON RD., ASPLEY, NOTTINGHAM

رابطہ کے لئے :-

روبینہ عزیز صاحبہ = 0115-929 6353

یا فرزانہ لون صاحبہ = 0115-916 4352

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اسلام اور مذہبی رواداری

(ماخوذ از طلوع اسلام جون 1939ء)

غالباً آپ نے سنا ہوگا کہ ایک مکتب میں جب بچوں کو شرارت سوجھتی اور وہ مولوی صاحب کے پنجہء استبداد سے کم از کم کچھ وقت کے لئے چھوٹنا چاہتے تو وہ منظم سازش کرتے' ایک آتے ہی کہتا اوہو! قبلہ خیریت ہے۔ آج نصیب اعدا کچھ طبیعت مضمحل سی نظر آتی ہے۔ مولوی صاحب فرماتے کہ ہاں بھائی رات کچھ دیر سے سویا اچھی طرح نیند نہیں آئی۔ رفت گذشت۔ دوسرا آتا اور السلام علیکم کے بعد مولوی صاحب کے چہرہ پر مترددانہ نگاہ ڈال کر پوچھتا کہ مولانا خیریت ہے! آنکھیں سرخ ہو رہی ہیں' چہرے پر کچھ تمازت کے آثار بھی ہیں۔ مولوی صاحب فرماتے کہ ہاں بھئی کچھ اعضاء شکنی سی محسوس ہو رہی ہے۔ تیسرا ابھی آ کر بیٹھنے بھی نہ پاتا کہ ایک گہری تشویش سے پوچھتا کہ مولوی صاحب' مزاج گرامی میں کچھ خرابی سی نظر آ رہی ہے اب مولوی صاحب کا دل بھی ڈوبنا شروع ہو جاتا' فرماتے کہ ہاں کچھ حرارت سی محسوس ہو رہی ہے۔ چوتھا طالب علم ابھی آنے بھی نہ پاتا کہ مولوی صاحب لحاف اوڑھے حجرے میں دراز ہیں اور نبض پر ہاتھ رکھو تو سچ مچ تپ چڑھ رہی ہے۔

مولوی صاحب کے بخار آ جانے کا واقعہ افسانہ ہو یا حقیقت' لیکن اس میں کچھ کلام نہیں کہ پروپیگنڈا اگر منظم طریقہ سے کیا جائے تو فی الواقع قلب ماہیت پیدا کر دیتا ہے۔ اشیاء کی نوعیت اور دیکھنے والوں کی نگاہوں کے زاویئے بدل دیتا ہے۔ جو چاہتا ہے منوا لیتا ہے اور جس طرح چاہتا ہے تسلیم کرا لیتا ہے۔ یہی وہ سحر سامری ہے جس کی نگاہ بندی سے قوموں کی یہ حالت ہو جاتی ہے کہ **لھم قلوب لا یفقھون بھا ولھم اعین لا یبصرون بھا۔ ولھم اذان لا یسمعون بھا۔** آنکھیں اپنی ہیں لیکن دیکھتے کسی اور کی عینک سے ہیں۔ کان اپنے ہیں' لیکن سنتے کسی اور کے آلہء صوت سے ہیں۔ دل اپنے ہیں' لیکن سمجھتے کسی اور کے دماغ سے ہیں **اولئک کالانعام بل ھم اضل۔** بالکل ''ہز ماسٹرز وائس'' ہوتے ہیں۔ (7/179)

اسلام کے ساتھ بھی دنیا میں ایسا ہی ہوا ہے۔ اس نے ابھی اپنی تربیت گاہ سے قدم باہر نکالا ہی تھا کہ یورپ کے ارباب حل وعقد کو اس سے خواہ مخواہ ایک خطرہ محسوس ہوا اور انہوں نے اس کا بہترین علاج یہی سوچا کہ اسلام کو اس کے اصلی خدوخال میں کہیں ظاہر ہی نہ ہونے دیا جائے۔ ارباب سیاست کے پیش نظر کچھ اپنی مصلحتیں تھیں' خداوندان مذہب اپنی سیادت کا تحفظ چاہتے تھے۔ چنانچہ دونوں گروہ اس مشترکہ مقصد کو لے کر اٹھے اور زبان وقلم کے زور سے اسلام کی ایک ایسی بھیانک تصویر کھینچی کہ غیر تو غیر خود اپنے بھی جب اس کی طرف نگاہ اٹھا کر دیکھیں تو کانپ کر رہ جائیں۔ جب دول یورپ کا تسلط دیگر ممالک پر ہوا تو انہوں نے وہاں بھی اس مقصد کو فراموش نہیں ہونے دیا اور چونکہ قاعدہ ہے کہ حاکم قوم کی ہر ادا میں اک شانِ خداوندی نظر آیا کرتی ہے۔ لہٰذا اقوام یورپ نے اسلام کی تصویر کے جو جو ایڈیشن شائع کئے۔ دل و

دماغ کے چوکھٹوں میں فریم کرا کے رکھے گئے۔ اس کا نتیجہ یہ ہے کہ آج دنیائے تہذیب وتمدن میں جہاں کہیں اسلام کا نام آتا ہے قتل وغارت گری، بربادی وتباہی، ہلاکت وخوں ریزی، جور وتظلم، ستم واستبداد کے خونی مناظر ایک ایک کر کے آنکھوں کے سامنے آجاتے ہیں۔ جن میں نظر آتا ہے کہ (معاذ اللہ) وحشی وخوں خوار جنگلی انسانوں کے غول کے غول نیزوں اور تلواروں کی جھنکار میں سیل حوادث کی طرح کف بردہاں بڑھتے چلے آرہے ہیں۔ جن کے جلو میں سبعیت و بربریت کے مجسمے ہولناک آہن پوش جنات کی شکل میں آگ اور خون کی ہولی کھیلتے اللہ اکبر کے فلک شگاف نعروں میں امنڈتے چلے آتے ہیں اور اس قہر خداوندی، اس سیلاب بلا، اس طوفان بدتمیزی کے سامنے تہذیب وتمدن، علم وعمرانیت، عدل وانصاف، عفت وعصمت، مذہب ومسلک ایک ایک کر کے جڑ سے اکھڑتے چلے جاتے ہیں۔ مظلوموں کی فریاد، یتیموں کی آہ وبکا، بیواؤں کا نالہ وفغاں آسمان تک جاتا اور ٹکرا کر واپس آجاتا ہے، کہ گویا (نعوذ باللہ) اس خوں خوار قوم کے خدا کا دروازہ ان سب کے لئے بند ہے۔ جہاں جہاں سے یہ قیامت صغریٰ گذرتی ہے آبادیاں ویرانہ بن جاتی ہیں۔ بستیاں اجڑ جاتی ہیں۔ کتب خانے جل کر راکھ کا ڈھیر رہ جاتے ہیں۔ تہذیب وتمدن کے آئینہ دار قصر شاہی کھنڈرات میں تبدیل ہو جاتے ہیں۔ کہیں ٹوٹی ہوئی صلیبوں کے انبار نظر آتے ہیں، کسی جگہ زنار کا ڈھیر دکھائی دیتا ہے۔ مندر ویران ہیں۔ گرجے مسمار ہیں۔ نہ برہمن کو کہیں امن ہے نہ کلیسا کے راہب کے لئے ایمن۔ نہ عورتیں محفوظ ہیں، نہ بچے مصئون۔ کچھ قتل کر دیئے گئے، جو باقی بچ گئے وہ ناک میں نکیل ڈلوائے حبشی سرداروں کے کوڑے کھاتے نخاس کی طرف گھسٹتے چلے جا رہے ہیں کہ وہاں انسانیت عظمیٰ دو دوٹکوں میں فروخت کی جائے۔

غرضیکہ یہ ہے وہ تصویر جو اسلام کے نام کے ساتھ ہی سامنے آکر آنکھ کی پتلیوں میں سکتہ پیدا کر دیتی ہے۔ دیکھنے والے کا خون کھولنے لگتا ہے۔ حقارت وتنفر انتقام و مواخذہ کے بخارات قلب سے اٹھ کر دماغ پر چھا جاتے ہیں اور اسے اس ''عالم سوز تہذیب اور ننگ انسانیت تمدن'' کو امن وسلامتی کی دنیا سے مٹا دینے کی مختلف تدابیر وخیالات کی جولانگاہ بنا دیتے ہیں۔ آیئے آج کی مختصر سی صحبت میں دیکھیں کہ جس تصویر کا یہ ایڈیشن آپ کے سامنے ہے اس کے صحیح خطوط کیا ہیں اور جس تہذیب وتمدن کو تلوار اور آگ کی نسبت سے انسانیت سوز سمجھا جا رہا ہے اس کی اصلیت کیا ہے۔ اسلام کی صورت مسخ کرنے والوں کی یہ بے باک جرأتیں فی الحقیقت قابل داد ہیں کہ یہ سب کچھ ایک ایسے مذہب کے متعلق پیش کیا جاتا ہے جس کا اصل دستور اساسی ایک ایک حرف اور نقطہ کی صحت کے ساتھ آج دنیا کے ہر کتب فروش کی دوکان سے مل سکتا ہے۔ اور جس کے صحیح علم برداروں کا ایک ایک نقش قدم مستند تواریخ کے اوراق پر جلی اور نمایاں نظر آتا ہے۔ اس مضمون میں ہم بتانا صرف یہ چاہتے ہیں کہ خدا کی بادشاہت میں غیر مسلموں کے ساتھ کس قسم کا برتاؤ کیا جائے گا۔ ہم اس وقت تعلیمی اسناد کے بجائے تاریخی استشہاد سے واضح کرنا چاہتے ہیں کہ حکومت الٰہی میں پوری طاقت اور قوت کے ہوتے ہوئے محکوم ومفتوح غیر مسلموں کے ساتھ کس قسم کا سلوک روا رکھا جاتا تھا اور انہیں بالخصوص مذہبی آزادی کس درجہ حاصل تھی۔ اس مضمون میں ہم تاریخی شہادات بالعموم غیر مسلم مصنفوں اور مورخوں کے حوالوں سے پیش کریں گے تاکہ کسی قسم کے تعصب، جنبہ داری اور رجحان قلبی کا شائبہ نہ رہے یہ بھی واضح رہے کہ وہ سلطنت جسے ہم ''خدا کی بادشاہت'' کے مقدس نام سے منسوب کرتے ہیں۔ قرن اولی کے ایک مختصر سے عرصہ پر مشتمل تھی۔ اس کے بعد جو حکومت قائم ہوئی اسے

آپ مسلمانوں کی سلطنت تو کہہ سکتے ہیں لیکن صحیح معنوں میں خدا کی حکومت نہیں کہہ سکتے۔ بایں ہمہ اس حکومت میں بھی چونکہ مسلمانوں کے سامنے قرآنی تعلیم اور اسلامی روایات کے نقوش موجود تھے۔ اس لئے غیر مسلموں سے رواداری کے باب میں اس زمانہ میں بھی ہمیں ایسی ایسی مثالیں ملتی ہیں جو دوسرے مذہب کی سلطنتوں میں معدوم ہیں۔

اگرچہ غیر اقوام کے ساتھ ربط وضبط تو عہدِ رسالت مآب صلعم سے ہی شروع ہو گیا تھا اور فتح خیبر یہود مدینہ اور فتح مکہ جیسے مقامات پر جس قسم کی رواداری کی مثالیں ملتی ہیں تاریخ ان کی نظیر پیش کرنے سے قاصر ہے۔ لیکن بہ حیثیت حکومت عہدِ فاروقی سے اس کا سلسلہ بڑھا ہے اور چونکہ اس عہد کے متعلق بہت سی غلط فہمیاں پھیلانے کی کوشش کی گئی ہے۔ اس لئے ہم شروع میں اسی عہد کے چند ایک واقعات پر نظر ڈالتے ہیں۔ اسلامی عہدِ حکومت میں غیر مسلم رعایا کو ذمی کہا جاتا تھا۔ جب یروشلم فتح ہوا ہے تو وہاں کے ذمیوں کے ساتھ ایک عہد نامہ ہوا' اس کے اقتباسات سے اندازہ فرمائیے کہ بحیثیت فاتح۔ مغلوب ومفتوح قوم کے ساتھ کس قسم کا سلوک روا رکھا گیا۔

''یروشلم کی غیر مسلم رعایا کو ان کی جان و مال' اولاد اور عبادت گاہوں' صلیبوں اور ہر اس چیز کی جو ان کی ملکیت میں ہے حفاظت کی ضمانت دی جاتی ہے۔ ان کی زمینوں اور ان کے مذہب میں کسی قسم کا تعرض نہ کیا جائے گا' ان کے کلیساؤں کو نہ تو منہدم کیا جائے گا اور نہ کسی قسم کا اور نقصان پہنچایا جائے گا' ان کے اوقاف اور ان کے وقار کو بحال رکھا جائے گا۔ اہل یروشلم کو اپنے مذہب کی پابندی میں ہر قسم کی آزادی ہوگی اور ان پر کسی قسم کا ظلم وستم روا نہ رکھا جائے گا۔''[1]

فتح یروشلم کے بعد حضرت عمرؓ جب گرجے کا ملاحظہ فرما رہے تھے تو وہیں نماز کا وقت آ گیا بطریق نے کہا کہ آپ وہیں نماز ادا کر لیں لیکن آپ نے اس بنیاد پر انکار کر دیا کہ مبادا بعد میں آنے والے مسلمان سنتِ عمرؓ کی تقلید میں اس گرجا کو مسجد میں تبدیل کر لیں۔ تالیف قلوب۔ بالغ نظری اور مذہبی رواداری کا یہ ایک ایسا واقعہ ہے جس سے سر ولیم میور جیسا متعصب بھی متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکا اور اس نے اپنی کتاب (The Caliphate-- It's Rise and Fall.) میں اس کا ذکر کیا ہے حالانکہ یہ وہ زمانہ تھا جب کہ جملہ اقوامِ عالم میں مذہبی تعصب جنون کی حالت تک پہنچ چکا تھا۔ اسی یروشلم میں مسلمانوں کی فتح سے پیشتر ہرقل نے ایک قیامت برپا کر رکھی تھی۔ فلسطین' شام' ایشیائے کوچک اور مصر سے تمام یہودیوں کے اخراج کا حکم عام تھا اور ان پر جس قدر مظالم توڑے جاتے ان کی کبھی دادرسی نہ ہو سکتی تھی۔ غیر مذاہب والوں سے ہی نہیں بلکہ خود عیسائی جو اس خاص فرقہ[2] سے متعلق نہ تھے جس کا ہرقل پیرو تھا ہر قسم کے مظالم کا شکار ہوتے تھے۔ چنانچہ یعقوبی فرقہ کا ایک بطریق لکھتا ہے کہ:-

''ہرقل نے اپنی مملکت میں اعلان کر رکھا تھا کہ جو عیسائی اس کے مشرب ومسلک سے متعلق نہ ہو اس کا ناک اور کان کاٹ دیئے جائیں اور اس کا گھر بار لوٹ لیا جائے یعقوبی فرقہ کے عیسائیوں کو ہرقل اپنے سامنے نہیں آنے دیتا تھا۔ لہٰذا ان کی کہیں شنوائی نہ ہوتی۔ یہی وجہ تھی کہ خدائے جبار نے بنی اسماعیل کے گھرانے سے ایک ایسی ہستی کو مبعوث کر دیا جس نے ہمیں ظالم رومیوں کے پنجہء استبداد سے نجات دلائی۔ چونکہ ان علاقوں کو فتح کرنے کے بعد مسلمانوں نے کسی عیسائی سے اس کے مذہب کے معاملہ میں تعرض نہ کیا۔ جو معبد کسی کے قبضہ میں تھا وہ اسی کے پاس رہنے دیا۔ اس لئے یہ تو نہ ہو سکا کہ ہمارے چند ایک گرجے جن پر Chalcedonian

1- The Eclips of Christianity in Asia-- by Laurance B. Brown-P.39.

2- Chalcedonian.

قبضہ کر چکے تھے واپس مل جاتے' لیکن ہم ہمیشہ ہمیشہ کے لئے رومیوں کے مظالم سے چھوٹ گئے اور ہمیں عربیوں کے ساتھ امن کی زندگی میسر آئی۔''[1]

یہی حالت مصر میں تھی۔ ایک آرمینین عیسائی۔ ابوصالح۔ جو تیرھویں صدی کے شروع میں ہوا ہے' لکھتا ہے:-

''یہ ایسا وقت تھا کہ شہنشاہ (قیصر) قدیم مذہب کے پرستار عیسائیوں پر بے حد ظلم وستم کرتا تھا اور انہیں زبردستی اپنے فرقہ میں داخل کرنا چاہتا تھا۔ چنانچہ ہرقل اور مقوقس کے ہاتھوں حقیقت پسند عیسائیوں نے بے حد تکالیف اٹھائیں۔ جب مظالم انتہا کو پہنچ گئے تو ملت حنفیہ کی ایک قوم اٹھی جس نے رومیوں کے نخوت وتکبر کو توڑا اور مصر کو فتح کر کے یعقوبی فرقہ کے عیسائیوں کو رومیوں کے مظالم سے نجات دلائی۔''[2]

چنانچہ فتح مصر کے وقت حضرت عمر بن عاصؓ نے تمام اہل مصر کو ایک شرائط نامہ لکھ کر دیا جس کی رو سے ان کی املاک' نفوس اور اولاد سب محفوظ تھیں۔ ان کو کامل مذہبی آزادی حاصل تھی ان کے گرجے اور معبد بالکل مصئون تھے اور دشمنوں کے حملوں سے ان کی حفاظت مسلمانوں کے ذمہ تھی۔[3]

فتح دمشق کے وقت ایک ایسا واقعہ پیش آیا جسے بڑے بڑے مقنن اور سیاست داں سنتے ہیں اور انگشت بدنداں رہ جاتے ہیں۔ مسلم افواج دمشق کا محاصرہ کئے ہوئے تھیں۔ ایک طرف حضرت خالدؓ تھے۔ دوسری طرف ابو عبیدہؓ۔ حضرت خالدؓ ایک رات خندق پار کر کے قلعہ کی دیوار پر چڑھ گئے۔ نیچے اتر کر دروازہ کھول دیا اور مسلم فوج درانہ شہر میں گھس آئی۔ عیسائیوں نے جب یہ کیفیت دیکھی تو فوراً دوسری طرف جا کر چپکے سے حضرت ابوعبیدہ سے صلح کر لی۔ چنانچہ ایک طرف سے حضرت خالدؓ بحیثیت فاتح شہر میں بڑھتے چلے گئے اور دوسری طرف سے ابوعبیدہؓ بحیثیت حلیف بڑھتے آئے وسط شہر میں دونوں فریق آملے۔ نصف شہر بہرحال لڑائی میں فتح ہوا تھا اور اس حصہ کے ساتھ ان شرائط کے ماتحت سلوک ہونا چاہئے تھا جو بحیثیت فاتح اہل دمشق سے بعد میں طے ہوئیں۔ لیکن حضرت ابوعبیدہؓ نے کہا کہ چونکہ انہوں نے اہل شہر سے صلح کر لی ہے اور وہ انہیں امان دے چکے ہیں اس لئے ان سب کو حلیف ہی شمار کرنا چاہئے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا اور اہل شہر سے کسی قسم کا تعرض نہیں کیا گیا۔ حالانکہ ایفائے عہد کے متعلق یونان کے مقنن اعظم سولن نے لکھا ہے ''معاہدہ مکڑی کا جال ہے جو اپنے سے کمزور کو الجھا دیتا ہے اور اپنے سے قوی کے سامنے ٹوٹ جاتا ہے۔''

جب مسلمانوں کی افواج وادیٔ جروان میں پہنچیں تو وہاں کے عیسائیوں نے حضرت ابوعبیدہؓ کو لکھا کہ:-

''اے مسلمانو! ہم تمہیں بازنطینی حکمرانوں پر ترجیح دیتے ہیں۔ حالانکہ وہ ہمارے ہم مذہب ہیں۔ اس لئے کہ تم معاملہ میں ان سے کہیں بہتر ہو اور ہم سے ہمیشہ عدل وانصاف سے پیش آتے ہو اور تمہاری حکومت ان سے بدرجہا اچھی ہے کہ انہوں نے تو ہمارے گھربار ہم سے چھین لئے۔''[4]

حمص میں مسلمانوں نے کچھ عرصہ تک اپنی چھاؤنی رکھی۔ عیسائیوں کی افواج نے جب دوبارہ حملہ کیا تو حمص کے عیسائیوں نے اپنے شہر کے دروازے بند کر لئے اور ان سے کہہ دیا کہ جاؤ تم سے ان مسلمانوں کی حکومت ہزار درجہ بہتر ہے۔ چنانچہ جب مسلمانوں کو فوجی ضرورت کے ماتحت کسی دوسری جگہ منتقل ہونا پڑا تو اہل شہر روتے تھے اور التجائیں

1- Chronique de Michel le Syrian--II--412. 413. 2- The Churches and Monastries of Egypt. P.30-31.
3- Preaching of Islam-- Arnold., 4- Preaching of Islam--Arnold.

کرتے تھے کہ خدا کے لئے جلدی واپس آنا کہ کہیں رومن عیسائی پھر ہم پر حکومت کرنے کو نہ آ جائیں۔[1] اللہ اللہ!

تو نخلِ خوش ثمرے کیستی کہ باغ و چمن
ہمہ ز خویش بریدند و با تو پیوستند

اسی حمص کا واقعہ ہے کہ مسلمانوں نے ان سے سال بھر کا خراج وصول کیا۔ لیکن چھ مہینہ بعد انہیں دوسری جگہ جانا پڑ گیا تو حضرت عمرؓ نے حکم بھیجا کہ نصف خراج اہل شہر کو واپس کر دو کہ جب ان کی حفاظت ہی نہیں تو اس حفاظت کے بدلے میں خراج کیسا؟[2] کیا ایسی مثال کسی اور تاریخ میں آپ کو مل سکتی ہے؟

جبلہ بن ایہم کا واقعہ مشہور ہے کہ جب طواف کعبہ کے دوران میں اس کی چادر ایک اعرابی کے پاؤں تلے آ گئی تو اس نے اعرابی کے منہ پر طمانچہ مارا' اعرابی نے فوراً اس کا جواب ویسے ہی طمانچہ میں دیا۔ شہزادہ جبلہ نے حضرت عمرؓ کے سامنے اس کی شکایت کی۔ لیکن حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ اسلام کے نزدیک تو ایک شہزادہ اور ایک ادنیٰ دہقانی کا ایک درجہ ہے تو اس نے پھر سے عیسائی ہو جانا چاہا اس پر حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ ہاں ہمارے نزدیک تو تمہارے لئے تینوں راستے کھلے ہیں یا مسلمان رہو یا عیسائی ہو کر جزیہ ادا کرو یا جہاں جی چاہے چلے جاؤ۔ چنانچہ وہ اپنی تیس ہزار فوج کے ساتھ ایشیائے کوچک کی طرف چلا گیا۔[3]

سب سے بڑا الزام جزیہ کے متعلق عائد کیا جاتا ہے اور ظاہر یہ کیا جاتا ہے کہ غیر مسلم رعایا سے یہ ''جرمانہ'' ان کے مسلمان نہ ہونے کے جرم کی بناء پر وصول کیا جاتا تھا۔ حالانکہ اس کی حقیقت بالکل جداگانہ ہے۔ مسلمانوں کو اپنی آمدنی کا چالیسواں حصہ حکومت کو ادا کرنا پڑتا تھا اور اس کے علاوہ ہر قسم کی فوجی خدمت بھی ان کے ذمہ تھی۔ غیر مسلم رعایا جو مسلمانوں کے زیر حکومت رہتی تھی ان کی حفاظت کی ذمہ داری مسلمان حکومت پر لازم تھی۔ وہ فوجی خدمت سے مستثنیٰ تھے۔ اگر ان سے اس حفاظت کے اخراجات کی مد میں کچھ وصول کر لیا جائے جو مسلمانوں کی زکوٰۃ سے بھی کم تھا تو اس میں اندھیر کیا ہے؟ عورتیں' بچے' بوڑھے' اپاہج اور مذہبی رہنما اس سے مستثنیٰ تھے۔[4]

اور پھر اس جزیہ کی مقدار کتنی تھی؟ معمولی حیثیت والے سے ۱۲- سالانہ' متوسط درجہ والے سے ۸- اور اس سے آگے خواہ کوئی کروڑ پتی ہو زیادہ سے زیادہ بارہ روپے سالانہ۔ حالانکہ ایک کروڑ پتی مسلمان سے کم از کم اڑھائی لاکھ روپیہ سالانہ بطور زکوٰۃ وصول کیا جائے گا۔ صدقات و خیرات اس کے علاوہ ہوں گے اور اس مالی قربانی کے ساتھ ساتھ جب ضرورت لاحق ہو گی تو یہ جان ہتھیلی پر رکھ کر میدان جنگ میں بھی شریک ہو گا اور ذمی رعایا کے مال' جان' مذہب' معابد کی حفاظت کرے گا۔ یعنی ایک ذمی رئیس بارہ روپیہ ادا کر کے نہایت اطمینان سے اپنے گھر میں بیٹھا رہے گا اور اسی حیثیت کا ایک مسلمان اڑھائی لاکھ روپیہ ادا کرنے کے بعد اس ذمی کے محافظ کی حیثیت سے میدان کارزار میں دشمن کی شمشیر و سنان کا مقابلہ بھی کرے گا۔ دشمن کی گولیاں ہوں گی اور مسلمانوں کا سینہ جو غیر مسلم رعایا کی حفاظت کے لئے سپر کا کام دے گا۔ مسلمانوں سے پیشتر ساسانیوں نے عیسائی رعایا پر جو ٹیکس لگا رکھا تھا وہ ساسانی رعایا سے دگنا ہوتا تھا اور اس کے جواز میں شاہ ساپر دوئیم نے کہا تھا کہ لڑائی ہمیں لڑنی پڑتی ہے اور یہ مزے میں بیٹھے رہتے ہیں' دگنا کیوں نہ ادا کریں؟[5] مسلمانوں کے عہد حکومت میں جب کوئی غیر مسلم فوجی خدمت کے لئے اپنے آپ کو پیش کر دیتا تو اس سے جزیہ نہیں لیا جاتا تھا۔ چنانچہ جراجمہ کے عیسائی قبیلہ نے اس رعایت سے فائدہ اٹھایا۔[6] اہل حیرہ نے جزیہ دیا تو ان سے یہ شرط تھی کہ ان پر

1-2- Preaching of Islam--Arnold, .3-Eclips of Christianity., 4- Khalifs and Their Nonmuslim subjects--Tritton.,
5- Introduction to the History of the Assyrian Church--Wigram., 6- Arnold's. Preaching of Islam.

خواہ مسلمان حملہ آور ہوں خواہ غیر مسلم ان کی حفاظت مسلمانوں کے ذمہ ہوگی۔[1] اور ہم حمص کے واقعہ میں دیکھ چکے ہیں کہ جب مسلمان حفاظت کی ذمہ داری سے سبک دوش ہوئے تو باقی ماندہ زرِ جزیہ ذمیوں کو واپس کر دیا۔ کیا اس کے بعد بھی یہی سمجھا جائے گا کہ جزیہ غیر مسلموں سے اسلام قبول نہ کرنے کے جرم کی پاداش میں وصول کیا جاتا ہے؟

ذمیوں کے حقوق کا مسلمانوں کو اس قدر خیال رہتا تھا کہ حضرت عمرؓ کے آخری الفاظ یہ تھے:

''میں ذمیوں کے حقوق اب اپنے جانشین کے سپرد کرتا ہوں ان کو خدا اور رسولؐ نے پناہ دے رکھی ہے۔ اس لئے میرے جانشین کو خیال رکھنا چاہئے کہ جو معاہدے ان کے ساتھ ہوئے ہیں ان پر شدت سے پابندی ہو اور ان پر کسی قسم کا زائد بوجھ نہ ڈالا جائے۔[2]

حضرت عمرؓ کے خلاف بعض الزامات عائد کئے جاتے ہیں کہ انہوں نے مذہب کے معاملہ میں عیسائیوں پر کچھ پابندیاں عائد کر رکھی تھیں لیکن سر تھامس آرنلڈ نے (Caetin.) وغیرہ کے حوالہ سے اس کی تحقیق کی ہے کہ یہ تمام الزامات بعد کی اختراع ہیں اور ابن حزم سے پہلے ان کا ذکر بھی نہیں ملتا۔ اس کے برعکس یہ واقعات بھی حضرت عمرؓ کے عہد کے ہیں کہ انہوں نے ذمیوں کے جان و مال کو مسلمانوں کے جان و مال کے برابر قرار دیا اور اگر کوئی مسلمان کسی ذمی کو قتل کر دیتا تو حضرت عمرؓ اس مسلمان کو ذمی کے قتل کے بدلے میں قتل کرا دیتے۔ انہوں نے تمام زمینیں ذمیوں کے قبضہ میں رہنے دیں اور یہ حکم دے دیا کہ کوئی مسلمان کسی ذمی کی زمین کو خرید نہیں سکتا۔ ذمیوں کے علاقہ کے متعلق کوئی معاملہ پیش آتا تو انہی کے نمائندوں سے اس کے بارہ میں مشاورت ہوتی۔ قاعدہ تھا کہ جو شخص اپاہج اور ضعیف ہو جاتا اور محنت و مزدوری سے کسب معاش نہ کر سکتا تو اس کے لئے بیت المال سے کچھ وظیفہ مقرر ہو جاتا' مساوات کی یہ انتہا ہے کہ اس رعایت میں مسلمانوں کے ساتھ ذمی بھی برابر کے شریک تھے۔ چنانچہ ابن ولید نے حیرہ کے ذمیوں کے ساتھ جو معاہدہ کیا جس کا ذکر پہلے آ چکا ہے اس میں یہ شرط بھی داخل تھی۔ خلافت راشدہ کے بعد اگرچہ حکومت ملوکیت میں تبدیل ہوگئی' لیکن روح اسلامی ابھی مسلمانوں مین موجود تھی چنانچہ عہد بنی امیہ اور عہد عباسیہ میں بھی ہمیں مذہبی رواداری کے درخشندہ واقعات صاف صاف نظر آتے ہیں۔ خلیفہ عمرو بن عبدالعزیزؒ نے حکم دے رکھا تھا کہ کوئی گرجا کوئی صومعہ گرایا نہ جائے۔[3]

خلیفہ ہشام کے لڑکے نے ایک مرتبہ شکایت کی کہ ایک مسلمان کو ایک عیسائی نے مارا ہے۔ خلیفہ نے کہا کہ اس سے کہو کہ عدالت میں جا کر چارہ جوئی کرے۔ مسلمان اور عیسائی کی تمیز کیسی۔[4]

خلیفہ المامون کے وقت میں ایک پادری یزدان بخت دربار میں آیا' مسلمانوں سے اس نے مباحثہ کیا اور ہار گیا۔ خلیفہ نے کہا اب مسلمان ہو جاؤ۔ اس نے کہا زبردستی یا اپنی مرضی سے۔ خلیفہ نے کہا اپنی مرضی سے اس میں زبردستی کوئی نہیں۔ اس نے کہا پھر تو میں مسلمان نہیں ہوتا۔ چنانچہ خلیفہ نے حکم دیا کہ اسے فوجی حفاظت میں اس کی جائے پناہ تک پہنچا دیا جائے۔ مبادا کوئی نادان اسے نقصان پہنچا دے۔[5] عہد عباسیہ میں نسٹورین فرقہ کے عیسائیوں کے ساتھ مسلمانوں کی ایک جماعت کا تنازع ہوگیا۔ ایک مسلمان مارا گیا جس سے مشتعل ہو کر مسلمانوں نے ان کے گرجے پر حملہ کر دیا۔ گرجے کو اتفاقیہ آگ لگ گئی۔ عیسائیوں نے مسلمان قاضی کی عدالت میں دعویٰ دائر کر دیا۔ چنانچہ ابو حامد اسفرائینی اور ابوبکر خوارزمی جیسے جلیل القدر مقننین کی رائے سے یہ فیصلہ ہوا کہ جس شخص نے گرجے پر حملہ کرنے میں سابقت کی ہے وہ مجرم

1-4-Preaching of Islam--Arnold.,
طبقات ابن سعد جس کی تائید آرنلڈ نے بھی کی ہے۔۔۲
3-5 The Caliphate..... Muir.,

ہے اسے اس کے جرم کی سزا دی جائے۔[1] ان واقعات سے اس زمانہ کی عام مذہبی آزادی کا پتہ چل سکتا ہے۔

مصر میں سلطان صلاح الدین کے وقت میں عیسائی اچھے اچھے عہدوں پر متمکن تھے۔ سیکریٹری، اکونٹنٹ، رجسٹرار بالعموم عیسائی ہوتے تھے۔[2] مسٹر لارنس ای براؤن نے لکھا ہے کہ مصر میں عیسائیوں پر سوائے خلیفہ الحاکم کے عہد کے جو درحقیقت دیوانہ قرار دیا جاتا تھا کبھی ظلم وستم نہ ہوا اور جہاں کہیں عیسائیوں نے کچھ مصیبتیں اٹھائیں وہ ان کی باہمی خانہ جنگیوں کی وجہ سے تھیں۔[3] جنگ صلیبی کے وقت بہت سے عیسائی مسلمانوں کے کیمپ میں پناہ گزیں ہو گئے اور مسلمانوں نے ان کو امان دی۔ ان میں سے کچھ تو واپس چلے گئے اور بہت سے وہیں ملازم ہو گئے اور اپنے آبائی مذہب پر بدستور قائم رہے اور ان سے کسی قسم کا تعرض نہ کیا گیا۔ انہی حالات کی روشنی میں سر آرنلڈ نے لکھا ہے کہ:-

''اگر خلفائے عباسیہ چاہتے تو جس طرح ازبلا اور فرڈی ننڈ نے ہسپانیہ سے اسلام کو خارج کر دیا تھا یا لوئس چہاردہم نے فرانس میں پراٹسٹنٹ کے عیسائی فرقہ کو مجرم قرار دے دیا تھا وہ بھی ایشیائے کوچک سے عیسائیت کو خارج کر دیتے لیکن انہوں نے ایسا نہیں کیا۔''[4]

انہی صلیبی لڑائیوں کا ذکر ہے کہ ایک دفعہ ایک سرہنگ، فرنگی فوج سے ایک شیر خوار بچہ اٹھا لایا اس کی ماں رنج وغم سے بے قرار ہو گئی اور اپنے سرداروں کے پاس جا کر روئی۔ انہوں نے کہا کہ سلطان صلاح الدین ایک سچا مسلمان ہے اس کی خدمت میں جا کر عرض کرو۔ وہ روتی ہوئی آئی اور اپنی داستان سنائی۔ سلطان یہ کہانی سنتا جا رہا تھا اور آنکھوں سے آنسو جاری تھے۔ وہ اپنی کہانی ختم کر چکی تو سلطان غصہ سے کانپ رہا تھا۔ خود اٹھا، ساری فوج میں تلاش کیا۔ معلوم ہوا کہ بچہ بیچ دیا گیا ہے۔ اس کے دام ادا کر کے بچہ کو واپس منگایا اور اس کی ماں کی گود میں دے دیا اور سوار کرا کے عزت کے ساتھ واپس پہنچا دیا۔

جس زمانہ میں سلطان رملہ کے متصل خیمہ زن تھا یافا میں انگلستانی بادشاہ رچرڈ بیمار پڑا۔ رچرڈ کے پاس اس وقت صرف دو تین سو سپاہی تھے۔ سلطان نے حکم دیا کہ بیمار دشمن پر حملہ کرنا کسی صورت میں جائز نہیں۔ رچرڈ کے پاس کوئی انتظام نہیں تھا۔ سلطان اسے روزانہ برف اور میوہ بھیجتا تھا اور بعض مورخ تو لکھتے ہیں کہ سلطان خود طبیب بن کر اسے دیکھنے گیا اور اس کا علاج بھی کیا۔

جب فرنگی بیت المقدس میں سلطان کے محاصرہ سے تنگ آ گئے تو امان کے طالب ہوئے اس نے امان دے دی اور کہا کہ تمام فرنگی چالیس دن کے اندر اندر یہاں سے نکل جائیں۔ جب اسلامی فوج شہر میں داخل ہوئی تو سپاہیوں نے دیکھا کہ فرنگی اشرفیوں کے صندوق بھرے لئے جا رہے ہیں سلطان سے جا کر کہا کہ فاتح فوج ایسی غنیمت سے کیوں محروم کی جاتی ہے۔ اس نے کہا کہ یہ درست ہے لیکن بدعہدی ہمارا شیوہ نہیں۔

سلطان مراد ثانی کے مقابلہ میں جب صلیبی لشکر ہونیاد کی قیادت میں جو کیتھولک تھا میدان قوصوہ میں صف آرا تھا اس وقت ہونیاد کے ساتھی سلطان سربیا نے اس سے پوچھا کہ اگر تم کو فتح حاصل ہو گئی تو کیا کرو گے؟ اس نے کہا کہ سب کو کیتھولک بنا کر چھوڑوں گا۔

لیکن جب یہی سوال سربیا نے مراد کے پاس بھیجا تو اس نے جواب میں لکھا کہ میں اگر کامیاب ہوا تو ہر مسجد کے پہلو میں ایک ایک کنیسہ بنانے کی اجازت دے دوں گا تاکہ جس کا جی چاہے مسجد میں آئے جس کا جی چاہے کنیسہ میں جائے۔ اس کا اثر یہ ہوا کہ شاہ سربیا نے ہونیاد کا ساتھ چھوڑ دیا

1-3-Eclips of Christianity., 4-Preaching of Islam--Arnold.,

جس کی وجہ سے صلیبیوں کو شکست اٹھانی پڑی۔

ایک بار ایک عثمانی مفتی سے کسی نے سوال کیا کہ اگر دس مسلمان ایک یہودی یا عیسائی ذمی کے قتل میں شریک ہوں تو کیا وہ سب کے سب قصاص میں مارے جائیں گے۔ مفتی نے جواب دیا کہ بے شک دس نہیں ایک ہزار بھی۔

اگرچہ یہ شہادتیں تاریخی اعتبار سے کچھ کم وقیع نہیں لیکن عہدِ اسلامی میں غیر مسلم رعایا کی حالت کے متعلق کچھ ایسے بیانات بھی موجود ہیں جن پر کسی خارجی اثر' یک طرفہ میلان و رجحان یا کسی دباؤ کا امکان نہیں ہوسکتا۔ اس زمانے کے بعض عیسائی بطریق اور دیگر پادری اپنے اسقف وغیرہ کو خفیہ خطوط لکھتے رہتے تھے۔ اتفاق سے ان میں سے بعض خطوط دست یاب ہو گئے ہیں جن کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ عیسائی رعایا فی الواقع مسلمانوں کے عہدِ حکومت سے مطمئن اور خوش تھی' ورنہ ظاہر ہے کہ اگر انہیں کچھ بھی تکلیف ہوتی تو وہ اس کو بڑھا چڑھا کر کیوں نہ لکھتے۔ ہم ان خطوط میں سے بعض کے اقتباسات ذیل میں درج کرتے ہیں۔

بطریق ایشوب سویم دیوار وشیر (فارس) کے ساعین کے نام ایک خط کے دوران میں لکھتا ہے:-

''یہ طے یا عرب جن کو خدا نے اس زمین کی حکومت عطا کی ہے آپ کو علم ہی ہے کہ اب ہمارے پاس رہتے ہیں لیکن انہوں نے کبھی ہمارے مذہب پر حملہ نہیں کیا بلکہ ہمیشہ ہمارے مذہب کی عزت کرتے ہیں۔ ہمارے پادریوں اور خدائے مسیحی کے اولیاء کی تعظیم کرتے ہیں' اور کلیساؤں اور خانقاہوں پر ان کی طرف سے الطاف واکرام کا سلوک کیا جاتا ہے۔'' [1]

چوں کہ اس بطریق کا زمانہ قریباً ۶۴۷ء لغاتیہ ۶۶۰ء ہے اس لئے مصرحہ بالا خط حضرت عثمانؓ یا حضرت علیؓ کے عہدِ حکومت میں لکھا گیا ہوگا۔ یروشلم کے فرقہ مالکی کا ایک بطریق قسطنطنیہ کے بطریق کے نام ایک خط میں رقم طراز ہے:-

''مسلمان عادل ہیں اور ہم سے نہ کوئی بے انصافی کرتے ہیں اور نہ ہی کسی قسم کی زیادتی روا رکھتے ہیں۔'' [2]

اسی طرح نزبن کے میٹروپولیٹن الیاس نے ۹۔۱۰۰۸ء میں لکھا ہے:-

''مسلمانوں کے متعلق ہمارا یہ عقیدہ ہے کہ ان کی اطاعت اور محبت دیگر مذاہب کے لوگوں کی اطاعت سے زیادہ ہم کو متاثر کرتی ہے خواہ ہم ان کی رعایا ہوں یا نہ ہوں اور خواہ وہ ہم سے کیسا ہی سلوک کیوں نہ کریں اور یہ اس لئے کہ مسلمان اسے اپنا مذہبی فریضہ سمجھتے ہیں کہ ہماری حفاظت کریں اور ہم سے نیک سلوک کریں اور ان کا عقیدہ ہے کہ ان میں سے جو کوئی غیر مذہب والے کو ستائے گا نبی اکرم صلعم قیامت کے دن اس مسلمان سے مواخذہ کریں گے۔ [3] ان کا قانون ہمارے حقوق کو تسلیم کرتا ہے۔ اور ہمیں دیگر مذاہب سے متمیز قرار دیتا ہے۔ یہ بھی ظاہر ہے کہ کسی مسلمان نے جب کبھی ہم سے زیادتی کی ہے تو اس کے قانون نے اسے بتا دیا ہے کہ اس نے یہ ناجائز کام کیا ہے۔ برعکس اس کے دوسرے مذاہب کے متبعین میں سے کسی نے اگر ہماری عزت کی ہے یا ہم سے نیک سلوک کیا ہے تو اسے اس کے قانون نے بتایا ہے کہ اس نے یہ اچھا کام نہیں کیا لہٰذا مسلمانوں نے اگر کہیں ہم پر زیادتی بھی کی ہے تو ان کے اس اعتراف کی بنا پر کہ انہوں نے یہ مستحسن کام نہیں کیا ان کی زیادتی ہمارے لئے دیگر اہل مذاہب کے حسن سلوک سے کہیں بہتر ہے کہ جس سلوک کی بناء

1-Eclips of Christianity. Assernanj III,Pt.II., 2- Boehier-P.31.,
3- یہ ابوداؤد کی ایک حدیث کی بناء پر ہے (پرویز)

پر ان کے قانون نے انہیں بتایا کہ انہوں نے یہ برا کام کیا ہے'' ۔1

ان بیانات سے ظاہر ہے کہ غیر مسلم رعایا مسلمانوں کے عہد حکومت اور ان کے اصولوں کو کس قدر نعمت الٰہی سمجھتی تھی اور ان کو کس قدر اطمینان اور آزادی حاصل تھی۔ برعکس اس کے اس زمانے میں جہاں کہیں مسلمان عیسائی حکومت میں آباد تھے ان پر انتہائی مظالم توڑے جاتے تھے۔ ابی سینیا میں شاہ سیفا آراد نے حکم عام دے رکھا تھا کہ تمام ملک میں جتنے مسلمان ہیں یا تو عیسائی ہو جائیں یا ملک بدر کر دیئے جائیں یا جہاں ہوں وہیں قتل کر دیئے جائیں ۔2

حالانکہ یہ وہ ابی سینیا ہے جو مسلمانوں کی وسعت ظرف کے صدقے میں عیسائیوں کے قبضے میں رہا تھا۔ نجاشی نے مسلمانوں کے سب سے پہلے مہاجرین کے قافلے کو سات آٹھ سال تک اپنے ہاں پناہ دی تو مسلمانوں نے اس احسان کا بدلہ اس انداز سے دیا کہ سات آٹھ سو سال تک جب کہ چین سے لے کر مراکش تک اسلامی پرچم لہراتا رہا حبش کی عیسائی سلطنت میں جو ایک مختصر سے قطعہ ارض پر مشتمل تھی۔ کبھی دخل انداز نہ ہوئے درآں حالیکہ نجاشی اول کا جانشین ہی مسلمانوں کے مخالف ہو گیا تھا اور ۹ھ میں ایک دستہ فوج لے کر جدہ تک چڑھ آیا تھا۔ نبی اکرمؐ نے بجائے جنگ کرنے کے اس سے صلح کا برتاؤ کیا اور نجاشی کے احسان کے بدلے میں مسلمانوں کو حکم دے دیا کہ

سالمو الحبشة ماسالمتكم

جب تک اہل حبش تم سے مصالحت رکھیں تم بھی ان سے مصالحت رکھنا۔

یہ تو تھا مسلمانوں کا طرز عمل حبش کے عیسائیوں کے ساتھ لیکن اسی حبش کا خود اٹلی کے عیسائیوں کے ہاتھوں کیا انجام ہوا دنیا اس پر شاہد ہے۔

اسپین میں جب مسلمان داخل ہوئے تو وہاں کی عیسائی سلطنت کے ماتحت یہودیوں پر ایک قیامت برپا تھی۔ انہوں نے یہودیوں کو ان کے پنجہ استبداد سے چھڑایا اور خود عیسائیوں کو ان کے مذہب میں کامل آزادی عطا کی۔ وہ اپنے معاملات کا تصفیہ اپنے قاضیوں سے کراتے۔ ہر قسم کے مذہبی تیوہار مناتے' نئے گرجے بھی تعمیر کرتے۔ آخری زمانہ میں عیسائی مذہبی جوش میں قرطبہ کے بازاروں میں آکر رسول اکرمؐ کی شان میں گستاخی برتتے۔ لیکن اسلامی حکومت کی طرف سے سزا صرف انفرادی مجرم کو دی جاتی۔ اس کے ہم مذہب دیگر افراد سے کوئی باز پرس نہ ہوتی اور تمام عیسائی رعایا امن و اطمینان کی زندگی بسر کرتی ۔3 فتح قسطنطنیہ کے وقت ایک روسی مورخ کا بیان ہے کہ ''عیسائیوں کے مظالم سے غریبوں پر خدا کی دنیا تنگ ہو چکی تھی۔ مسلمان اس کے خرمن استبداد پر برق خاطف بن کر گرے۔ ان کے منصف اپنی امانتوں میں کبھی خیانت نہیں کرتے تھے۔ 4

فارس میں آتش پرستوں کے معبد بالکل محفوظ رہے۔ دسویں صدی یعنی فتح ایران کے تین سو سال بعد تک کے مؤرخین کے بیان کے مطابق عراق' فارس' کرمان' خراسان' آذربائیجان میں آتشکدے موجود تھے۔ المعتصم کے عہد میں ایک جرنیل نے ایک امام مسجد اور مؤذن کو دروں سے پیٹا کہ ان کے متعلق معلوم ہوا تھا کہ وہ ایک پرانے آتشکدے کو مسجد میں تبدیل کرانا چاہتے تھے۔ شیراز میں گیارھویں اور تیرھویں صدی تک غیر مسلم رعایا کے تیوہاروں کی تقریب میں شہر کے بازار آراستہ کئے جاتے اور یہ تیوہار بڑی دھوم سے منائے جاتے۔ 5

اسلام کی تعلیم کا کچھ ایسا تحیر انگیز اثر ہے کہ وہ گویا انسان کی فطرت ہی بدل دیتی ہے۔ چنگیز خاں اور ہلاکو خاں کے چغتائی اور منگول قبائل تاریخ عالم میں وحشت و بربریت

1-The Eclips... 2-. Preaching of Islam., 3-Arnold's, 4- Karamsin-- Vol.V.P.43.,
5-The Caliphs and their Non-Muslim subjects-P.107.

کے مجسمے تصور کئے جاتے ہیں ہر زبان میں ان کا نام آتش و خون کے حروف میں لکھا جاتا ہے۔ اس سے ان کے مذہبی تعصب و جنون کا اندازہ لگا لیجئے۔ چنگیز خاں اور بغرا خاں کے عہدِ حکومت میں یہ حکم عام تھا کہ جو شخص مسلمانوں کے طریق پر کوئی جانور ذبح کرے ہر شخص کو حق حاصل ہے کہ اسے قتل کر دے۔ لیکن یہی قبائل جب اسلام کے آغوش میں آئے تو ان کی مذہبی رواداری کی یہ کیفیت تھی کہ ازبک خاں نے پیٹر کے اسقف' کے نام ۱۳۱۳ء میں ایک منشور لکھا جس میں درج تھا کہ کوئی شخص حدود سلطنت کے اندر کسی عیسائی کے گرجا کو نقصان نہ پہنچائے گا۔ اس کی جائیداد نہیں چھینے گا اور اس کے مذہب سے قطعاً تعرض نہیں کرے گا جو ایسا کرے گا۔ وہ حکومت کی جانب سے سزا کا مستوجب ہوگا اور اپنے خدا کے حضور اس کا جواب دہ۔''[1]

☆☆☆☆☆☆☆☆☆

ہندوستان کے متعلق کچھ زیادہ تفصیل سے لکھنا تحصیل حاصل ہے یہاں مسلمانوں کے عہدِ حکومت میں مذہبی رواداری کا زندہ ثبوت خود یہاں کی مردم شماری ہے۔ ہندوستان میں قریب ایک ہزار سال تک مسلمانوں نے حکومت کی اور اس میں ایسے ایسے وقت بھی آئے کہ کشمیر سے میسور تک اور گجرات سے بنگال تک ایک ہی مسلمان بادشاہ کا سکہ رواں تھا لیکن بایں ہمہ سلطنت مغلیہ کے اختتام پر مسلمانوں کی تعداد تین کروڑ سے کم تھی[2] اور جب ''تلوار'' ہاتھ سے نکل گئی تو اس اسی (80) سال کے عرصہ میں وہ تین گنا ہو گئی۔ ان اعداد و شمار سے اگر وہ تعداد خارج کر دی جائے جو غیر ہندی مسلمانوں اور ان کی اولاد پر مشتمل ہے اور اس کے ساتھ یہ بھی پیش نظر رہے کہ ہندوستان میں کس قدر اسلامی مبلغ آئے اور انہوں نے غیر مسلم باشندوں کے دلوں میں کس قدر گہری عقیدت پیدا کر لی تو شمشیر بچاری کے حصہ میں سوائے بدنامی کے اور کیا رہ جاتا ہے۔

سب سے پہلے حجاج کے عہد میں غازی محمد بن قاسم کی زیر قیادت مسلمان سندھ میں آئے۔ سر ولیم میور لکھتا ہے کہ ''اس وقت مسلمانوں نے ہندوؤں کے تمام مندر اسی طرح رہنے دیئے' ان کو بت پرستی سے بہ جبر نہیں روکا۔ یہود' نصاریٰ' پارسی سب کو اجازت تھی کہ اپنے اپنے مذہب پر قائم رہیں اور یہی وجہ ہے کہ باوجود اسلامی حکومت کے ہندوستان غیر مسلم ہی رہا۔''[3] محمود غزنوی کے حملے مسلم جور و استبداد کے لئے بطور ضرب المثل استعمال کئے جاتے ہیں لیکن انسائیکلو پیڈیا آف اسلام کا عیسائی مدیران تمام حملوں کے تذکرہ کے بعد لکھتا ہے کہ:-

> ''محمود نے مذہب کے بارے میں کہیں زبردستی نہیں کی بلکہ کئی جگہ اس نے اپنے اہل مذہب پر ہندوؤں کو ترجیح دی''۔

اسی طرح لالہ تلسی رام صاحب اپنی کتاب ''واقعات ہند'' میں لکھتے ہیں:-

> ''محمود نے بہ جبر کسی کو مسلمان نہیں بنایا نہ کسی ہندو کو اس لئے قتل کیا کہ وہ ہندو ہے''۔

ڈاکٹر بریز اپنے سفرنامہ میں لکھتے ہیں:-

> ''مسلمانوں کی تدبیر مملکت کا یہ ایک جزو ہے کہ وہ ہندوؤں کی خصوصیات میں جن کی تعداد مسلمانوں سے کہیں زیادہ ہے دست اندازی کرنا مناسب نہیں سمجھتے بلکہ ان کے مذہبی رسوم کو بجا لانے میں ان کو آزادی دیتے ہیں۔''

اکبر کے عہد میں یہ رواداری تو گویا جانب داری کی حد تک پہنچ چکی تھی۔ راجہ مان سنگھ کو مثلاً وہ اقتدار حاصل تھا جو شاید پرتھوی راج کو بھی نصیب نہ ہوا ہو۔ راجہ ٹوڈرمل وغیرہ کی قدر و منزلت کسی صورت میں بکرماجیت کے نورتنوں سے کم نہ

1-Arnold's.. 3-The Caliphate... p.363..

۲۔ ڈاکٹر ہینگ کے ایک بیان کی رو سے جب ہندوستان کی حکومت انگریزوں کے ہاتھ میں گئی تو مسلمان کل آبادی کا دسواں حصہ تھے اور گورنمنٹ آف انڈیا کی مردم شماری کی رپورٹ بابتہ ۱۸۸۱ء کی رو سے مسلمان کل آبادی کا پانچواں حصہ۔ یعنی ۵ کروڑ۔ لیکن ۱۹۳۱ء کی مردم شماری کی رو سے ۹ کروڑ (پرویز)۔

تھی۔ مذہبی آزادی کے متعلق رائے بہادر لالہ بیج ناتھ اپنی کتاب ''ہندوستان گذشتہ وحال'' میں تحریر فرماتے ہیں۔

''مسلمان فرماں رواؤں کی نسبت یہ اعتراض بھی پیش کیا جاتا ہے کہ ان کے عہد میں نئے مندر بننے کی اجازت نہ تھی لیکن یہ سراسر غلط ہے۔ دہلی، آگرہ، متھرا وغیرہ میں جو اسلامی قوت وسطوت کے خاص مرکز تھے۔ بہت سے مندر شاہان اسلام کے عہد کے تعمیر شدہ اس وقت تک موجود ہیں۔''

اورنگ زیب کے تو نام سے ہی ایک خونچکاں منظر آنکھوں کے سامنے آجاتا ہے کم از کم اس کے متعلق یہ مشہور ہے کہ جب تک سوامن زنار نہیں اتروا لیتا تھا۔ کھانا نہیں کھایا کرتا تھا۔[1]

لیکن تاریخ کے ان صفحات کو کہاں لے جایئے جن پر ثبت ہے کہ:

''اورنگ زیب کو خبر پہنچی کہ بنارس کے بعض حکام برہمنوں کو ستاتے ہیں تو اس نے ابوالحسن گورنر بنارس کو فرمان بھیجا کہ ہماری شریعت کا حکم ہے کہ مندر نہ ڈھائے جائیں اور ان کے پجاریوں پر سختی نہ کی جائے لہٰذا یہ حکم دیا جاتا ہے کہ کوئی شخص کسی برہمن یا ہندو پر کسی قسم کا دباؤ نہ ڈالے۔''[2]

اسی طرح بابو رام نرائن صاحب مینجر ریاست رام نگر اپنے ایک مضمون میں تحریر فرماتے ہیں۔

''ضلع سیتاپور میں مصرکہ کے مندر کو عالمگیر نے چند مواضعات جاگیر میں دیئے جو اب تک موجود ہیں۔ نیز متھرا کے نزدیک بلدیو راؤ کے مندر کو بہت سے گاؤں جاگیر میں دیئے''۔

بابو منوہر لال صاحب اوہری اپنے ایک مضمون میں رقم طراز ہیں:-

''اورنگ زیب نے مندروں کو جاگیریں دیں اس کے بڑے بڑے عہدہ دار ہندو تھے''۔

پروفیسر ایشوری پرشاد صاحب اپنی ''تاریخ ہند'' میں لکھتے ہیں:-

''ملتان میں تو تلہ مائی کے مندر کو ایک سو روپیہ سالانہ جاگیر عالمگیر نے عطا فرمائی۔ ڈیرہ دون کے گوردوارہ کو جاگیر دی۔ ہندوؤں پر سے محصول جاترہ جو پہلے سے چلا آتا تھا موقوف کردیا۔''

سکھ حضرات کے ہاں تو ''اورنگا'' کے مظالم کی داستانیں ہر تقریب پر دہرائی جاتی ہیں اور ان میں گورو گوبند سنگھ جی کے واقعات کو سب سے زیادہ نمایاں کیا جاتا ہے لیکن رائے بہادر کنہیا لال اپنی ''تاریخ پنجاب'' میں لکھتے ہیں:-

''گورو گوبند سنگھ جی نے محاصرہ کے بعد اورنگ زیب کو فارسی میں عرضی لکھی کہ میں سیاست سے الگ ہو کر عبادت کی زندگی بسر کرنا چاہتا ہوں بادشاہ نے لکھا کہ اگر ایسا ہے تو آپ سے کوئی مزاحمت نہیں کی جائے گی۔ چنانچہ اس نے تمام حکام کو اس کے مطابق احکام جاری کردیئے۔''

متاخرین میں سے حیدر علی اور سلطان ٹیپو بھی اس بارے میں بہت بدنام کئے جاتے ہیں کہ انہوں نے بہت سے ہندو خاندانوں کو مسلمان کرلیا ان کے متعلق سر تھامس آرنلڈ لکھتے ہیں کہ:-

''یہ تحقیق سے ثابت ہے کہ ان خاندانوں کا مسلمان ہونا ان بادشاہوں کے عہد سے بہت پہلے کا واقعہ ہے۔''

اسی حیدر علی کے دو وزیر برہمن تھے اور شاما برہمن اس کا معتمد خاص تھا۔[3]

ملوکوٹہ میں جو وشنو کا مندر ہے اس میں دو چاندی

۱۔ اگر ایک زنار کے تاگہ کا وزن ایک تولہ بھی فرض کرلیا جائے تو گویا ۴۰۰۰ ہندو ہر روز مسلمان کئے جاتے تھے یا قتل کرادیئے جاتے تھے۔ اب اندازہ فرمائیے کہ اس کے پچاس سالہ عہد حکومت میں کس قدر ہندو مسلمان ہوئے یا قتل کیے گئے۔ یہی معلوم ہوتا ہے کہ اسے مگر کہ زندہ کنی خلق راو باز کشی---- کا اعجاز معشوقانہ آتا ہوگا۔ یا للعجب۔ منہ

۲۔ ''بنارس سٹی'' مصنفہ نرنجن سیلن صاحب۔ بی۔ اے۔ ایل ایل بی۔ وکیل۔ ۳۔ سوانح عمری حیدر علی۔ از ڈپٹی لال نگم۔

کے برتن ہیں جن پر یہ عبارت کندہ ہے۔

''یہ برتن ٹیپو سلطان کی طرف سے بطور ہدیہ مندر کو دیئے گئے۔''

ان واقعات کے دہرانے سے ہمارا مطلب یہ نہیں کہ ان مسلمان فرماں رواؤں کی وسعت نظر اور کشادہ دلی کے قصائد لکھے جائیں بلکہ کہنا صرف یہ ہے کہ چونکہ ان کے عہدِ حکومت میں اسلامی کلچر اسلامی روایات اور اسلامی تعلیم کے کچھ نہ کچھ آثار باقی تھے۔ اس لئے ان کا تقاضا تھا کہ غیر مذاہب والوں سے رواداری کا برتاؤ کیا جائے۔ تاریخ کے یہ صفحات آپ کے سامنے ہیں غیر مسلم مصنفین کی شہادتیں موجود ہیں ان کی روشنی میں مسلمانوں کے عہدِ حکومت پر نگاہ ڈالئے خواہ وہ عرب میں ہوں یا عجم میں، چین میں ہوں یا ترکستان میں، مصر میں ہوں یا ہندوستان میں۔ چونکہ قرآن کریم کی تعلیم کا تقاضا تھا کہ کسی شخص پر محض اختلاف مذہب کی بناء پر کوئی زیادتی نہ کی جائے اس لئے کسی کا ذاتی رجحان اور طبعی میلان کچھ ہی کیوں نہ ہو جب وہ قرآن کریم کو سامنے رکھ لیتا تھا تو عدل وانصاف سے اعراض نہیں کرسکتا تھا۔ جب عام مسلمانوں کی سلطنت میں غیر مسلموں کے ساتھ اس قسم کی مذہبی رواداری کا عملی ثبوت دیا جاتا تھا تو ظاہر ہے کہ جب دنیا میں صحیح معنوں میں خدا کی بادشاہت قائم ہو جائے تو اس وقت تمام نوع انسانی کو کس قدر آزادیء مذہب اور حریت فکر حاصل ہوگی۔ غیر مذاہب کے حضرات اگر ان واقعات پر غور وفکر کی نگاہ ڈالیں تو وہ یقیناً اس نتیجہ پر پہنچ جائیں گے کہ اسلام کا دامن ان تمام خونی دھبوں سے پاک ہے جو اس کی طرف منسوب کئے جاتے ہیں۔ وہ دنیا کو امن وسلامتی کا پیغام دینے والا ہے اور کسی حالت میں بھی رشتہء عدل وانصاف کو ہاتھ سے چھوڑنے کی اجازت نہیں دیتا کہ اس کے خدا کا اعلان ہے کہ

لا یجرمنکم شنان قوم علی الاتعدلوا اعدلوا ھو اقرب للتقوی۔ (۵/۸)

کسی قوم کی دشمنی تمہیں اس بات پر آمادہ نہ کرے کہ تم ان سے عدل نہ برتو۔ عدل کرو کہ وہ تقویٰ سے بہت قریب ہے۔

اور انہی واقعات کو دیکھنے کے بعد ایک عیسائی مصنف یہ کہنے پر مجبور ہو جاتا ہے کہ:-

''تاریخ (کے واقعات) جو ہم نے اس کتاب کے صفحات پر بے نقاب کئے ہیں ظاہر کر رہے ہیں کہ اسلام ایشیاء کے عیسائیوں سے ''بزور شمشیر'' نہیں منوایا گیا۔ بلکہ اس کی اشاعت مسلمانوں کی روز افزوں ترقیوں کی وجہ سے ہوئی۔''[1]

برعکس اس کے

''صلیبی لڑائیاں لڑنے والوں کے دل میں سب سے پہلے آرزو یہ تھی کہ وہ جناب مسیح کے لئے بزور شمشیر ایک سلطنت حاصل کرلیں۔''[2]

1-2-The Eclips of Christianity in Asia., PP.183-184 & 143.

حضرت ابو سعید خدریؓ سے روایت ہے کہ ہم رسول اللہ کے ساتھ سفر میں تھے۔ ایک شخص آیا اور دائیں بائیں دیکھنے لگا۔ آپؐ نے فرمایا جس کے پاس سواری ضرورت سے زیادہ ہو وہ اس شخص کو دیدے جسے اس کی ضرورت ہو۔ جس کے پاس زادِ راہ ضرورت سے زیادہ ہو وہ اسے دیدے جس کے پاس نہ ہو اس طرح آپ نے بہت سی چیزوں کا ذکر فرمایا۔ حتیٰ کہ ہم نے سمجھ لیا کہ ہم میں سے کسی کو ضرورت سے زیادہ کوئی چیز رکھنے کا حق نہیں۔ (مسلم بحوالہ ریاض الصالحین امام نوویؒ)

کامل مومن وہ ہے جو خوش اخلاق اور گھر والوں سے نرم سلوک کرنے والا ہو۔ (ترمذی)

A perfect believer is that who is nice in behaviour and kind to his family members. (Tirmizi)

SHAHAB

QUALITY PISTON RINGS

THE ONLY MANUFACTURERS OF INTERNATIONAL QUALITY PISTON RINGS IN PAKISTAN.

MINIMIZE WEAR
RESTORE COMPRESSION
GET MORE POWER
CONTROL OIL

CALL US FOR THE EXCELLENT RECONDITIONING OF AUTOMOBILE ENGINES OF ALL KINDS.

M. SHAH MOHAMMAD & SONS (PVT.) LTD.
OUTSIDE PAK GATE, MULTAN, PAKISTAN
PHONE OFFICES : 545071, 43671, 539071-73
FACTORY 550171

عام لغات کی کتابوں میں الفاظ کے مآخذ و معانی بیان کرنے پر اکتفا کیا جاتا ہے اور ان کے صرفی ونحوی پہلو کو چھوڑ دیا جاتا ہے۔ اِس طرح طالب علم نہجِ عبارت اور نشستِ الفاظ کی اُصولی وجوہ سے ناواقف رہ جاتا ہے۔

علی محمد پی۔سی۔ایس ایڈیشنل کمشنر (ریٹائرڈ) کی تالیف

انوار البیان

فی حلّ

لغات القرآن

میں ضروری الفاظ، جملوں اور آیات کی صرفی ونحوی لحاظ سے وضاحت کردی گئی ہے۔ اصطلاحاً یہ کتاب نہ تو ایک لغات ہے، نہ تفسیر، نہ ترجمہ۔ یہ اپنی نوع کی ایک بے نظیر کاوش ہے، جس میں طالب علمانِ قرآن کے استفادہ کے لئے بہت کچھ ہے۔ چار ضخیم جلدوں کی قیمت صرف -/1500 روپے ہے۔

678/
18/10

قرآن کی تفسیر قرآن سے

تفسیر بیانُ لِلنّاس

مکمل سیٹ 7 حصے 4 جلدوں میں

خواجہ احمد الدین

اس تفسیر میں یہ پانچ خصوصیتیں ہیں جو اس کو عام تفاسیر سے ممتاز کرتی ہیں:

- اس کے مخاطب بلالحاظ فرقہ ومذہب تمام انسان ہیں جیسا کہ قرآن کا اپنا شیوہ ہے۔
- اس میں حتی الوسع کوشش کی گئی ہے کہ کوئی بات عقل سلیم کے خلاف نہ ہو۔
- ترجمہ میں سب سے پہلے اصول عربیت کو ملحوظ رکھا گیا ہے۔
- اس کے بعد عام منشائے قرآن کا تتبع ہے جو محکمات سے واضح ہے۔
- اس کے ساتھ ہی سنت اللہ یعنی نیچر کے قوانین کا احترام کیا گیا ہے۔"

Price Complete Set Rs. 2000/-

دوست ایسوسی ایٹس

ناشران وتاجران کتب

الکریم مارکیٹ اردو بازار، لاہور

Phone : 7122981 Fax : 092-42-7122981

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

(ابن مریم)

سود

ہم پاکستانی بھی ایک عجیب جذباتی قوم ہیں' چونکہ ہم سب مسلمان ہونے کے مدعی ہیں اس لئے ہم ہر جذباتی موڑ پر اسلام کو درمیان میں لے آتے ہیں' کبھی نظام مصطفیٰ کے قیام کا نعرہ لگا کر قوم کو سڑکوں پر لے آتے ہیں تو کبھی نفاذ شریعت کے نام پر۔۔ ستم یہ کہ کبھی کسی نے یہ واضح نہیں کیا کہ زندگی کے مختلف شعبوں میں کیا اصلاحات مقصود ہیں' جس نظام کے نفاذ کے وہ دعویدار ہیں اس میں نظام معیشت کیا ہوگا' نظام سیاست کیا ہوگا' عدالتوں کا نظام موجود نظام سے کس طرح مختلف ہوگا' نظم ونسق کی مشینری کن خطوط پر منظم کی جائے گی۔۔ بس ہوا میں ایک نعرہ اچھال دیا اور جذباتی اپیلیں داغ دیں' سادہ لوح لوگوں کو اپنے تقدس اور علم سے مرعوب کر کے' ساتھ۔۔ نہیں بلکہ پیچھے لگا لیا اور نامعلوم منزل کی طرف کا سفر شروع۔۔ نتیجہ یہ کہ کارواں کو کسی ویرانے میں چھوڑ کر خود کسی کنج عافیت میں جا بیٹھتے ہیں۔

سود کو ختم کرنے اور بلاسود معیشت کے قیام کا مطالبہ بھی مدت سے فضا میں گونج رہا ہے' اسمبلیوں میں غوغا آرائی ہوئی' ہنگامے ہوئے' بات عدالتوں تک پہنچی' عدالتوں نے فیصلے دیئے تو حکومتوں نے مہلت پہ مہلت طلب کی۔۔ معاملہ روز اول والا ہے۔

یہ سچ ہے کہ اسلام میں سود سے بڑی سختی سے منع کیا گیا ہے حتیٰ کہ سودی معیشت پہ قائم رہنے والوں کو خدا اور رسول سے جنگ کرنے والے کہا گیا ہے۔ قرآن پاک میں اس کے متعلق واضح احکام موجود ہیں اسی لئے کسی کو اس سے سرتابی کی مجال نہیں' عدالتیں ان احکام کے ہوتے ہوئے اور کوئی فیصلہ دے ہی نہیں سکتیں فیصلہ دیا گیا کہ فلاں تاریخ کے بعد سود پاکستان کی معیشت سے ختم کر دیا جائے۔۔ سب نے اطمینان کا سانس لیا۔۔

مگر بات ابھی تک وہیں کی وہیں ہے' آخر کیوں؟

ان فیصلوں پر عمل درآمد کے راستے میں کیا مشکلات حائل ہیں کہ اسلامی جمہوریہ ہونے کا دعویدار ملک۔ پاکستان۔ اس لعنت سے چھٹکارا حاصل نہیں کر سکا۔

کون اس بات سے انکار کر سکتا ہے کہ حکومت (اور عملی طور پر قوم) اربوں ڈالر کی مقروض ہے اور یہ سب قرضے سود در سود سے مشروط ہیں' اور ہم بین الاقوامی معاہدوں کے

تحت واپسی کے پابند ہیں۔

اندرون ملک سرمایہ کاری بھی بنکوں سے منسلک ہے۔ ساری انڈسٹریاں بھی بنکوں کے قرضوں ہی کے بل پہ چل رہی ہیں۔ بنکوں میں پیسے کہاں سے آتے ہیں' ان میں وہ پیسے جمع ہوتے ہیں جو ملک کا درمیانہ طبقہ پیٹ کاٹ کر برے وقتوں کے لئے جمع کرتا ہے' اس امید پہ کہ انہیں کچھ نہ کچھ اضافی رقم ملتی رہے گی اور بنک یہ اضافی رقم اس سود سے دیتا ہے جو وہ ان لوگوں سے وصول کرتا ہے جو کارخانہ دار اور تاجر حضرات کاروبار کو بڑھانے کے لئے ان سے قرض لیتے ہیں۔ بنک کا یہ سود (جسے اب مارک اپ کا بے ضرر قسم کا نام دے دیا گیا ہے) اس منافع سے کہیں زیادہ ہوتا ہے جو ان لوگوں کو ادا کیا جاتا ہے جن کا پیسہ بنکوں میں جمع ہوتا ہے کیونکہ بلڈنگوں کے کرائے' عملے کی تنخواہیں اور دوسرے تمام اخراجات مارک اپ اور کھاتے داروں کو دیے گئے منافع میں فرق سے حاصل ہوتے ہیں۔

جوں جوں مارک اپ بڑھتا جاتا ہے مصنوعات کی قیمتیں بڑھتی جاتی ہیں کیونکہ یہ سب قرضہ مع مارک اپ ان کارخانوں کی مصنوعات کی قیمتوں میں روز اول سے ہی لاگت میں شامل کر دیا جاتا ہے اور یوں یہ کارخانہ دار یہ روپیہ انہی صارفوں سے کئی گنا وصول پا لیتے ہیں جن کا روپیہ وہ استعمال میں لا رہے ہوتے ہیں' غرض۔۔

دو گونہ عذاب است جانِ مجنوں را

یہ ایک چکر ہے جو اس سرمایہ داری نظام کا لازمی جزو ہے اور منافع خوری اور مہنگائی کا بنیادی سبب بھی۔ اوپر سے میڈیا میں پرفریب اشتہار بازی' ضرورت سے زیادہ اور فضول خریداری پر اکساتی ہے' یہ مصنوعی مانگ معاشرتی قدروں کی پامالی کا باعث بنتی ہے اور آخر کار اخلاقی قدروں کے زوال پہ ختم ہوتی ہے۔

اس مخمصے سے نکلنے کے کئی راستے بھائے جا رہے ہیں' بلاسود بنکاری کی ایک نئی اصطلاح گھڑی گئی ہے' P.L.S اکاؤنٹ شروع کئے گئے ہیں' کچھ مذہبی سکالروں نے یہاں بھی باب الحیل کھول لئے ہیں' کھاتہ داروں کو امانت داروں کا نام دیا گیا ہے' بنکوں کے اکاؤنٹوں کی قسمیں بنائی گئی ہیں' ان میں بہرحال بنکوں کو اختیار ہوگا کہ جمع شدہ رقموں سے ایسے کاروباروں میں شرکت کریں جس سے انہیں خاطر خواہ منافع کا یقین ہو۔ اس منافع میں یہ امانت دار پارٹنر (ساتھی' شریک) ہونگے۔ دیکھا جائے تو راز کھلے گا کہ دراصل کچھ بھی تبدیل نہیں ہوا' بس کچھ نئے نام ہیں۔ **سمیتموھا انتم وآباؤکم** (الاعراف۔71)

میدان میں وہی دیو استبداد پائے کوب ملتا ہے جو سود کی شکل میں معیشت میں گھن کی طرح رگ جاں پہ پنجہ زن تھا۔ At best اسے (پیچ ورک Patch Work) پھٹے ہوئے کپڑے میں پیوند لگانا کہا جا سکتا ہے۔

یہ حضرات شاید بھول جاتے ہیں' حقیقت سے بے خبر ہیں یا لوگوں کو بے خبر رکھنے کے چکر میں ہیں کہ سرمایہ دارانہ نظام کی طرح اسلامی نظام بھی ایک مکمل نظام زندگی ہے۔ کمیونزم بھی ایک فلسفہ ہے مگر زندگی کے متعلق اس کا نظریہ بھی سرمایہ دارانہ نظام کے فلسفہ سے مختلف نہیں۔

بھولنا نہیں چاہئے کہ سرمایہ دارانہ نظام مکمل طور پر سودی معیشت کا نام ہے۔ جہاں جذبہ محرکہ ذاتی مفاد کا حصول ہوتا ہے' جہاں روپیہ بغیر محنت کے بھی روپیہ کماتا ہے' کام کوئی اور کرتا ہے فائدہ کوئی اور اٹھاتا ہے' دانہ ایں می کارد آں حاصل برد۔۔ ذاتی ملکیت مقدس قرار پاتی ہے' مذہبی طبقہ' اس کے سرکردہ افراد اس کے تقدس کا فیصلہ دیتے ہیں اور بدلے میں اس سرمایہ دار طبقے (جو زمیندار' کارخانہ دار' منافع خور تاجر پہ مشتمل ہوتا ہے) کی سرپرستی میں بغیر محنت کے عیش و آرام کی زندگی گزارتا ہے۔

یہ جو میں نے سرمایہ دارانہ نظام اور کمیونزم کے نظریہ حیات کی یک نگہی کا حوالہ دیا ہے یونہی نہیں' غور کریں تو راز کھلے گا کہ دونوں کے نزدیک زندگی اسی دنیا کی زندگی کا نام ہے جو ماہ و سال کے شمار سے عبارت ہے اور جو موت کے ساتھ ختم ہو جاتی ہے

!---Dust thae art; to dust returneth

مگر اسلام کے نزدیک زندگی ایک جوئے رواں ہے جو موت کا موڑ مڑ کر اخروی حیات میں قدم رکھتی ہے۔۔۔ اور جہاں اس کا مقام اس دنیاوی زندگی کے ان اعمال کے بل پہ ملتا ہے جو وہ دوسروں کی بہتری' معاشرے میں عدل و انصاف اور حسن و توازن پیدا کرنے کے لئے کرتا رہا ہے۔۔

یہی وہ بنیادی فرق ہے جو ان نظریہ ہائے حیات میں حد فاصل ہے۔۔

اس فلسفے کے بغیر اپنی محنت کی کمائی دوسروں کو دینے کا کوئی جذبہ محرکہ ہو ہی نہیں سکتا۔ کمیونزم میں شروع شروع میں تو استحصال زدہ طبقے کو یہ کہہ کر ابھارا گیا کہ آج تک تمہارا حق دوسرے لیتے رہے' دنیا بھر کے محنت کشو اٹھو اب تمہاری باری ہے محنت کرو اور حاصل محنت سمیٹو!

مشرق و مغرب میں تیرے دور کا آغاز ہے

کچھ دیر کے بعد انہوں نے محسوس کیا کہ ان کی محنت کا ماحصل تو کوئی اور لے جاتا ہے۔۔۔

کچھ محنتیوں کی خلوت میں کچھ زاہد کے گھر جاتی ہے
ہم بادہ کشوں کے حصے کی اب جام میں کم کم آتی ہے

سٹیٹ کے نام پر اوپر بیٹھے کچھ مقتدر حضرات اپنے اپنے کارندوں اور دلاروں کے لئے سب کچھ سمیٹ لیتے تھے' محنت کشوں کے حصے میں تو صرف تلچھٹ آتی ہے۔

سرمایہ داروں کے دور میں تو اگر وہ ایک آجر سے خوش نہیں ہوتے تھے تو دوسروں سے معاملہ کر سکتے تھے' نئی سیٹ اپ میں تو اور بھی مجبور اور بے بس تھے' احتجاج بھی نہ کر سکتے تھے۔ سٹیٹ' ملک کی بھلائی کے نام پر ان کی شہ رگ پہ انگوٹھا رکھتی تھی' سٹیٹ ایک نظر نہ آنے والا خدا بن کر ان کی تقدیر کا سیاہ و سفید مالک بن بیٹھا تھا۔

کسی کے دل میں خیال آیا کہ جب میری محنت کا تمام تر بدل مجھے نہیں ملتا تو کام ہی اتنا کیوں نہ کروں جو میرے لئے کافی ہو تو ریاستی تشدد ان کی کمر توڑ دیتا۔

وہ محنت کش جو پہلے خدا کے حضور فریاد کناں تھا کہ

تو قادر و عادل ہے مگر تیرے جہاں میں
ہیں تلخ بہت بندۂ مزدور کے اوقات

اس نئے نظام کے تحت خستہ حال پکارنے پہ مجبور ہو گیا:

بندہ ہے کوچہ گرد ابھی خواجہ بلند بام ابھی

گویا آسمان سے گرا کھجور میں اٹکا۔

انسانوں کی' انسانیت کی نجات نہ اس نظام میں تھی نہ اس میں۔ مساوات کا پیغام لے کر اٹھنے والی اس تحریک کے پیچھے جو فلسفہ کارفرما تھا وہ ایک منفی عمل تھا' انکار کا' لا کا:-

لا کلیسا' لا سلاطیں' لا الہ

انکار کے جوش میں موجود عمارت تو ڈھا دی مگر نئی تعمیر کیسے استوار ہوتی' اس کے لئے بنیاد کہاں تھی۔

سو دنیا نے دیکھا کہ بے مثال مادی ترقی کے باوجود معاشرے میں سکون و اطمینان نام کی کوئی چیز نہ تھی' خلاؤں میں سیر ہو رہی تھی مگر زمین انسانوں کے لئے تنگ ہو رہی تھی' بیرونی دنیا سے روابط تو ایک طرف مملکت کے اندر سوچ پہ' فکر پہ' تحریر وتقریر پہ تعزیریں تھیں۔ سارا کمیونسٹ بلاک ایک قیدخانہ بن گیا تھا۔ نتیجہ وہی جو اس کا مقدر تھا' جونہی دروازہ کھلا' تازہ ہوا جھکڑ کی صورت میں اندر آئی۔ ریت کا قلعہ دروں میں بٹ گیا' ہاؤس آف کارڈز کی طرح سویت یونین پارہ پارہ ہو گئی۔ آئندہ اس کی شکل کیا ہو گی ابھی نہیں کہا جا سکتا مگر اتنا تو ہوا ہے کہ لینن گراڈ دوبارہ سینٹ پیٹرز برگ ہو گیا ہے' نیا زار کب سر اٹھاتا ہے' نیا راسپوٹین کب ظاہر ہوتا ہے وقت ہی بتا سکتا ہے۔

قازغستان' کرغیزستان' تاجکستان کی مسجدیں ویران ہیں' ان کے ہمسائے میں کشت و خون کا بازار گرم ہے' دونوں طرف مسلمان ہیں' دونوں طرف توحید کے علمبردار ہیں۔ نوے فیصد علاقے پہ وہ لوگ حکمران ہیں جہاں داڑھیوں کے سائز پہ سزائیں ہیں' جہاں خواتین ہسپتال بھی نہیں جا سکتیں (میدان جہاد میں ساتھ جانے والی عورتوں کا وجود ان کے ذہنوں کے لئے اجنبی ہے)۔

کاش کوئی مملکت ایسی ہوتی جہاں اسلام اپنے اصل تصور کے مطابق کارفرما ہوتا۔ زمانے کی سوچ سے آشنا' انسانی مساوات پر مبنی عادلانہ معاشرے کا مظہر جہاں انسان' انسانوں کی غلامی سے آزاد ہوتا' صرف اور صرف اللہ کے قانون کا پابند۔ جہاں ہر شخص کی بنیادی ضروریات' روٹی' کپڑا' مکان' تعلیم' علاج معالجہ' بڑھاپے اور معذوری کی ذمہ داری مملکت کے ذمے ہو۔

جب بھی ایسی کوئی بات کسی مجلس میں کی جاتی ہے تو فوراً اعتراض آتا ہے کہ کسی بھی حکومت کے پاس اتنے وسائل نہیں ہوتے جو یہ سب کچھ کر سکے' ترقی یافتہ' متمول ترین ملکوں میں بھی پرائیویٹ سیکٹر اس میں شامل کرنا پڑتا ہے۔ بڑی بڑی فاؤنڈیشنیں یہ ذمہ داری نبھاتی ہیں۔

مگر اعتراض کرنے والوں کے سامنے آج کی سرمایہ دارانہ نظام پر مبنی حکومتیں ہوتی ہیں' یہ حکومتیں ٹیکس لگاتی ہیں کہ ریونیو اکٹھا ہو اور پھر اس کی بندر بانٹ ہوتی ہے۔ اور آپ جانتے ہیں سرمایہ دارانہ معاشرے میں مفاد خویش ہی سب سے بڑا جذبہ محرکہ ہوتا ہے' جہاں ٹیکس ہوتے ہیں وہاں ٹیکس چوری کے راستے بھی ڈھونڈے جاتے ہیں' عقل بڑی عیار شے ہے ہر چیز کا جواز ڈھونڈ لیتی ہے اس کے پیش نظر صرف اپنے مالک کا مفاد ہوتا ہے' اس مفاد سے کسی اور کی زندگی پہ کہاں زد پڑتی ہے اسے اس کی پرواہ نہیں ہوتی۔ سب کا مفاد' سب کی بہتری صرف وحی کی روشنی ہی مہیا کر سکتی ہے

اور یہ اب قرآن پاک کے سوا اور کہیں نہیں مل سکتی۔

ستم یہ ہے کہ وہ لوگ جو خود کو مسلمان کہتے ہیں اور اسلام کو مکمل دین کہتے ہیں سوائے چند عبادتوں (ضیاء الحق اور طالبان کی مہربانی سے) اور چند سزاؤں سے زیادہ کسی بات کا ذکر نہیں کرتے، وہ دین کے ارکان تو جانتے ہیں، ان ارکان ان ستونوں پہ جو عمارت استوار کرنی ہے اس سے بے خبر ہیں۔

اسلام جو عمارت ان ستونوں پہ استوار کرتا ہے وہ امن کی، عافیت کی، مساوات پر مبنی، استحصال سے پاک معاشرے کی ضامن ہے۔

قرآنی مملکت کی ریسورسز، اس کے تصرف میں آنے والے سرمائے کی وسعت و انتہا۔۔۔ آپ صرف ایک مملکت پاکستان کی دولت کو تصور میں لائیے کیونکہ یہ مملکت حاصل ہی اس لئے کی گئی تھی کہ یہاں اسلام نافذ ہو (اصلی اور منزل، ملوکیت والا ملائی مذہب نہیں) جو زمین کو وڈیروں، جاگیرداروں، سرداروں، پیروں، سجادہ نشینوں کی نہیں اللہ کی ملکیت قرار دیتا ہے (اور جس چیز کو اللہ اپنی ملکیت قرار دیتا ہے اس پر سب انسانوں کا یکساں حق ہوتا ہے)۔ زمین اور اس میں اگنے والی سب فصلیں، فصلیں ہی نہیں اس کے اندر چھپے سب خزانے، تیل، گیس، دھاتیں، پتھر، سب معدنیات مملکت کی تحویل میں ہونگے، وہ اس کی ملکیت نہیں امانت ہوگی۔ بنکوں کے کھاتہ داروں کو امانت داروں کا نام دینے والوں کے لئے یہ نکتہ غور طلب ہے کہ مملکت مالک نہیں امین ہوگی۔

اس بے انداز دولت کا انتظام و انصرام، اس کا حساب کتاب، اس کو کہاں اور کس مقدار میں خرچ کرنا ہوگا، اس کے لئے اہل ترین اشخاص کو ذمہ داری دی جائے گی جو اس کے بدلے میں صرف اپنی ضروریات کے لئے کچھ لے سکیں گے، وہ اس کے لئے جواب دہ ہونگے اس دنیا میں اولی الامر کے سامنے اور آخرت میں خدا کے سامنے۔

تعلیم اور اس سے حاصل ہونے والے مواقع ہر ایک کے لئے یکساں کھلے ہونگے، ہر کوئی اپنی قابلیت اور محنت کے مطابق اس میں اپنا مقام بنائے گا، فلاں ابن فلاں کی اس میں کوئی اہمیت نہیں ہوگی، ہر ایک کی عزت نفس کا یکساں خیال رکھا جائے گا، ہر ایک کو عدل میسر ہوگا۔

اس ماحول میں ہر کوئی اپنے اپنے دائرے میں کام کر رہا ہوگا، پوری پوری محنت سے، کوئی بھی بیکار نہ ہوگا کیونکہ اس اجتماعی دولت میں سے اپنا حصہ لینے کا ایک ہی طریقہ ہو گا۔ کام **لیس للانسان الا ماسعیٰ**۔۔! اس امکان بھر محنت کے بدلے میں وہ صرف اپنی ضروریات کے مطابق لے گا، باقی اجتماعی بھلائی کے کاموں کے لئے کھلا رہے گا۔ یہ معاشرہ قل العفو کے اصول پہ کام کرے گا، اس طرح اپنی بے مثال مین پاور اور بے پناہ دولت کے بل پہ وہ اقوام عالم میں ایک بلند مقام کا حامل ہوگا، وہ دوسروں کا مقروض نہیں بلکہ دوسروں کو غربت و افلاس سے نکالنے اور بھلائی کے کاموں میں مدد کرنے والوں میں ہوگا۔ اور یہ سب بلا مزد و معاوضہ ہو گا، اس کا مقصد اپنی دولت میں اضافہ نہیں بلکہ دوسروں کی احتیاج کو کم کرنا ہوگا۔۔ یوں یہ اپنے حسن سلوک سے انسانی برادری قائم کرے گا۔ تاکہ دنیا کو پکار پکار کر کہہ سکے۔ حی علی الفلاح۔۔ اس طرف آؤ اس طرف تمہارے لئے بھلائی ہے،

آزادی ہے' انسانوں کی غلامی سے آزادی کیونکہ ہماری روش' ہماری شریعت یہ ہے کہ

کس نہ بناشد در جہاں محتاج کس
نکتۂ شرع مبیں این است و بس

ایسے بے ریا اور مخلص معاشرے میں جہاں کسی کی ضرورت رکی نہ رہے گی اور جہاں کسی کے پاس فالتو دولت نہیں ہوگی صرف ایسے معاشرے میں نہ کسی کو سود کی ضرورت ہوگی اور نہ اس کی کوئی اہمیت۔

آپ کہیں گے' آپ کہہ سکتے ہیں میں یوٹوپیا کی' خوابوں کی سرزمین کی باتیں کر رہا ہوں' مجھے اعتراف ہے شاید ایسا ہی ہے۔ مگر میں یقین سے کہہ سکتا ہوں کہ اس کے علاوہ سود سے پاک معاشرے کا تصور بھی ناممکنات میں سے ہے' سرمایہ دارانہ نظام میں سود سے پاک معیشت کا قیام احمقوں کی جنت بسانے کا نام ہے جہاں نئے نئے ناموں اور اصطلاحوں سے لوگوں کو بہلایا تو جا سکتا ہے اصلیت پر پردہ نہیں ڈالا جا سکتا۔

لہٰذا اگر پاکستان کو سود سے پاک کرنا ہے تو یہاں **قل العفو** پہ مبنی قرآنی معاشرہ قائم کرنا ہوگا جس میں زمین دہ خداؤں کی نہیں' بادشاہوں کی نہیں اللہ کی ہوگی۔ ہر کوئی حسب قابلیت اور استطاعت زیادہ سے زیادہ محنت کرے گا' زیادہ سے زیادہ کمائے گا مگر صرف حسب ضرورت لے گا تاکہ اس کی فالتو کمائی کو انسانیت کی بھلائی کے لئے بلا امتیاز نسل و رنگ خرچ کیا جا سکے اور اسے آخرت میں اس کے بدلے میں خدائی حساب سے حصہ ملے جس کا وہ یہاں تصور بھی نہیں کر سکتا۔

DARS-E-QURAN (IN URDU)
BAZM TOLU-E-ISLAM MANCHESTER (U.K)
EVERY **FRIDAY** FROM **8PM – 9PM**
AT
33 ST. GEORGES ROAD, FALLOWFIELD
MANCHESTER, M14 6SX
DARS-E-QURAN AUDIO AND VIDEO TAPES (URDU) AND
ALL THE PUBLICATIONS BY ALLAMA PARWEZ
ARE AVAILABLE IN OUR LIBRARY FOR LENDING
PLEASE CONTACT:- MR. MEHFOOZ (0161 286 5496)
OR MR. R.QURESHI:- TEL & FAX NO. (01565 830278)

روزنامہ نوائے وقت کی نظر میں

مذہبی اور سیاسی فرقہ بندی

(قرآن حکیم کی روشنی میں)

مذہبی اور سیاسی فرقہ بندی ایک ایسا موضوع ہے ایک طرف جو اس وقت ہمارا بے حد حساس قومی مسئلہ ہے اور دوسری طرف عصر حاضر میں یہ مسئلہ عالم اسلام کو بھی درپیش ہے اور نہ صرف اتحاد امہ کو پارہ پارہ کر رہا ہے بلکہ مخالفین اسلام کو مسئلے سے اپنے مذموم فوائد سمیٹنے کے مواقع بھی افراط سے فراہم کر رہا ہے۔ محمد اشرف ظفر صاحب نے اس مسئلہ کو قرآن حکیم کی روشنی میں سمجھنے اور پھر اس کا فکری تجزیہ کرنے کی بھی سعی کی ہے۔ انہوں نے یہ مثبت نتیجہ نکالا ہے کہ قرآن حکیم کی صحیح تعلیم اور اس پر خلوص مندانہ عمل مذہبی اور سیاسی فرقہ بندی کا استیصال کر سکتا ہے اور پھر وہ نظام حیات تشکیل پا سکتا ہے جو معنوی اور عملی طور پر اسلامی نظام حیات ہوگا۔ محمد اشرف ظفر نے اس کتاب کی تحقیقی اساس میں "پاکستان" کو بالخصوص پیش نظر رکھا ہے اور قوم کو علامہ اقبال کے خطبہ الہ آباد کی طرف متوجہ کر دیا ہے جو کفرستان ہند میں نظام قرآنی کی ایک ضوفشاں کرن تھی لیکن جس کی معنویت کی طرف اب تک عملی توجہ نہیں دی گئی۔ علامہ اقبالؒ نے فرمایا تھا:

"ہمارے لئے کشادگی کی ایک راہ ہے اور وہ یہ کہ آئینہ اسلام پر غیر اسلامی رنگ کی جو سخت اور درشت تہیں جم گئی ہیں اور جس کی وجہ سے اس کا حرکیاتی اور ارتقائی نظریہ یکسر جامد ہو کر رہ گیا ہے۔ انہیں کھرچ کھرچ کر الگ کر دیا جائے اور حریت، سلاست اور مساوات کی حقیقی اقدار کو از سر نو زندہ کر کے ان کی بنیادوں پر اپنے اخلاقی، عمرانی اور سیاسی نظام کی تشکیل جدید کی جائے جو حقیقی اسلام کی سادگی اور آفاقیت کا آئینہ دار ہو"

یہ کتاب دراصل فرمودہ اقبال کی تشریح و توضیح میں بہت معاونت کرتی ہے۔ قرآن حکیم اور فقہ اسلامی کے پس منظر میں محمد اشرف ظفر نے اسلامی آئین کی تدوین علماء کی علمی سطح، سیاسی فرقہ بندی اور دنیا کی حالت زار جیسے موضوعات کو حالیہ پس منظر سے ابھارا ہے یقین سے کہا جا سکتا ہے کہ فرقہ بندی کے استیصال میں یہ کتاب اہم کردار ادا کر سکتی ہے۔ اس کا مطالعہ اساتذہ اور سیاسی رہنماؤں کے علاوہ سیاسی کارکنوں اور طالب علموں کو بھی کرنا چاہئے۔ مطالعہ عام کے لئے اس کتاب کا ہر لائبریری میں موجود ہونا بھی ضروری نظر آتا ہے۔ 685 صفحات کی یہ کتاب مکتبہ اخوت الکریم مارکیٹ اردو بازار لاہور سے دستیاب ہے۔ قیمت 400 روپے ہے جو بے حد مناسب ہے۔

تبصرہ: ڈاکٹر انور سدید

قرآن حکیم کے طالب علموں کے لئے خوشخبری

(نایاب) آسان قرآن مجید (نیوز) مع تفسیر القرآن بالقرآن (محدود تعداد میں) از تلمیذ سرسید جناب علی احمد خان دانشمند جالندھری (علیگ)
رعایتی قیمت پر =/200 روپے کی بجائے صرف =/100 روپے میں طلب کریں (علاوہ ڈاک خرچ)
مذکورہ تفسیر کے آخری پارہ کے چند نوٹس ملاحظہ ہوں۔

"سورۃ عبس (آیات 1-16) عام طور پر اس سورۃ کا غلط ترجمہ کر کے اسے پیغمبر ﷺ کی طرف منسوب کیا ہوا ہے۔ درآنحالیکہ یہ تو ایک روحانی اندھے کافر کے لئے ہے۔ مومن اندھے کے لئے نہیں ہے۔ نہ پیغمبر ﷺ نے مومن اندھے کے لئے تیوری چڑھائی نہ پیٹھ پھیری۔ یہ تمام حرکات تو روحانی اندھے کافر کی ہیں۔ سورۃ المدثر میں بھی ایسے ہی روحانی اندھے کافر کی حرکات ہیں۔ دشمن قرآن نے بہت سی جھوٹی روایات بنا بنا کر قرآن حکیم کی روشنی پر سیاہ غلاف چڑھانے چاہے لیکن سورج پر کون سیاہ غلاف چڑھا سکتا ہے"۔

"سورۃ القدر (آیات 1-5) قرآن حکیم کا لیلۃ القدر میں نازل کرنا پس یہ عرب کے تاریک ترین زمانہ کی رات تھی۔ قرآن حکیم کے نزول سے وہ قدر والی بن گئی اور انتہائی تاریک زمانہ طلوع فجر میں تبدیل ہو گیا۔ پس اگر مسلم قوم نے (اصل) شب قدر دیکھنی ہے تو قرآن حکیم کے سورج کو دنیا پر طلوع کرے"۔

"سورۃ الفیل آیات (1-5) پس مکہ معظمہ کے دانائے کار جرنیل حضرت عبدالمطلب نے اپنے ہمراہ تمام اہل مکہ کو لے کر جس کا ہر فرد ایک جانباز سپاہی تھا مکہ کی پہاڑیوں پر چڑھ گئے اور اصحاب فیل پر اچانک ایسا سخت جوابی حملہ کیا کہ ہاتھیوں نے اپنی فوج کو خود ہی روند ڈالا۔ پھر کیا تھا نہ ابرہہ اور نہ اس کی فوج کا ایک فرد زندہ بچ کر نکل سکا۔ سورۃ یٰسین کی آیات 14 تا 30 دیکھئے کہ اللہ تعالیٰ نے کسی گمراہ قوم کو عذاب دینے کے لئے کبھی آسمان سے لشکر نہیں اتارے اور نہ وہ اتارنے والا ہے"۔

قرآن کے اثر کو روک دینے کے لئے
ہم لوگوں پہ راویوں کا لشکر ٹوٹا

اکبر الہ آبادی

علامہ اسلم جیراج پوری کی خوبصورت اور فکر انگیز کتاب **ہمارے دینی علوم** (علم تفسیر، تفسیر بالروایت، علم حدیث، علم فقہ)
قیمت 75 روپے (علاوہ ڈاک خرچ)

☆ ملنے کا پتہ ☆ مکتبہ اخوت، الکریم مارکیٹ، سیکنڈ فلور، اردو بازار، لاہور۔

پمفلٹس -- PAMPHLETS

ادارہ طلوع اسلام دینی موضوعات پر پمفلٹس شائع کرتا رہتا ہے۔

مندرجہ ذیل پمفلٹس 5 روپے فی پمفلٹ کے حساب سے ڈاک ٹکٹ بھجوا کر طلب فرمائیں۔

1- آرٹ اور اسلام
2- .....
3- اسلام کیا ہے؟
4- .....
5- اسلام آگے کیوں نہ چلا؟
6- .....
7- اسلام ہی کیوں سچا دین ہے؟
8- .....
9- اندھے کی لکڑی
10- بنیادی حقوق انسانیت اور قرآن
11- جہاں مارکس ناکام رہ گیا
12- حرام کی کمائی
13- .....
14- .....
15- دو قومی نظریہ
16- روٹی کا مسئلہ
17- .....
18- .....
19- .....
20- عورت قرآن کے آئینے میں
21- فرقے کیسے مٹ سکتے ہیں؟
22- قرآن کا سیاسی نظام
23- قرآن کا معاشی نظام
24- قوموں کے تمدن پر جنسیات کا اثر
25- کیا قائداعظمؒ پاکستان کو سیکولر سٹیٹ بنانا چاہتے تھے؟
26- کافرگری
27- .....
28- مقام اقبالؒ
29- مرزائیت اور طلوع اسلام
30- مقام محمدی ﷺ
31- ماؤزے تنگ اور قرآن
32- ہم میں کیریکٹر کیوں نہیں؟
33- ہیں کواکب کچھ نظر آتے ہیں کچھ
34- Islamic Ideology
35- Is Islam a Failure?
36- Why Islam is the Only True Deen?
37- Parmanent Values
38- اسلامی قانون کی اصل و بنیاد کیا ہے؟
39- انسانیت کا آخری سہارا
40- پاکستان کی نئی ''زیارت گاہیں''
41- نماز کی اہمیت
42- ہم عید کیوں مناتے ہیں؟
43- Why Do We Lack Character?
44- ہندو کیا ہے؟

Voice of Youth

A MESSAGE OF HOPE

By

Saima Hameed

Sometimes at night, I look up,
At the stars,
When silence surrounds,
And there is a symphony of mental cord.
A shine, a ray..... and a beat of hope!!

A Message of light,
It's like a dream that was weaved.
So that we could one day reach,
By our struggles and our endeavors,
To stand united and hold on to that cord,
"and hold fast all together to the rope of Allah"
To climb the numerous contours,

..... Advance ourselves in *'taqwa'*.
Under this sweltering sun,
Imagine the rough and harsh journey that's begun,
We might harm our physique in the process,
Yet, these bodily bruises may make the resolve even more, awesome.

The day will arrive, when we will achieve,
Our most prized goals, and receive,
The awards of our unmovable resoluteness,

And having reached the top of our mountainous trek,
We could say that....
Yes, This we have.....
... lived ... and so, let LIVE.

****

bin N'sar says that he saw him with his own eyes in 573 *hijra* with Imam Nasir.

II. Abu Abdulah bin Muhammad Saqli—He lived in fifth century *hijra*. He was famous for having shook hands with Messenger Muhammad[PBUH]. People considered it sacred to shake hands with him.

III. Kais bin Tameem—He had a scar on his forehead. It was said about him, Hazrat Ali's mule kicked him. He lived in Gheelon. We find traditions written about him in the beginning of sixth century *hijra* (about 517 *hijra)*

IV. Rattan Baba Hindi—He died in 632 *hijra*. It is said about him that he participated in Hazrat Fatimah's marriage. He lived in India.

They created these fake disciples of MuhammadPBUH and narrated numerous *ahadith* through them. Some considered these *ahadith* as roots and quoted them as deeds of authority. The mental state of these religious scholars was so frozen and stagnant, that when authorities on *ahadith* denied these stories, people became annoyed with them. For example, when Imam Zuh'bee declared the traditions of Baba Rattan as weak or fake, Allama Mujad Uddin Kamoos was annoyed and upset. By the same token, Allama Safdi opposed Hafiz ibn Hajr, when the latter contested these stories.

****

۲۵ سالہ تجربہ کار

پیپلز کلیرنگ ایجنسی
کسٹم ھاوس سے منظور شدہ
کلیرنگ اینڈ فارورڈنگ ایجنٹ

کلیرنگ اور فارورڈنگ کے معاملات میں ایک قدم آگے
ہمارے ۲۵ سالہ تجربہ سے دوسروں کے مقابلے میں زیادہ فائدہ۔
ہم آپکی خدمت کیلئے ہمہ وقت تیار ھیں۔

۵۔ وقار سینٹر، فرسٹ فلور رام بھارتی اسٹریٹ، جوڑیا بازار۔ کراچی
فون: ۲۴۲۶۱۲۸ / ۲۴۳۱۰۴۵-۲۴۳۷۵۳۷
فیکس نمبر:-
ٹیلیکس: ۲۱۰۴۳ BTC PK

lights or lighting up on *Shub e Bar'aat* was initiated by Bramka, a convert into Islam. He found an alterative to appeasing his need of his former practice of fire worship. This practice later on gradually acquired the form of fire works, that eventually spread from east to west. The list of famous fake *ahadith* books, of Sufis is as following:

I. *Zia'rat Kubr e Nabi*—not even one *hadith* is correct in it.

II. *Fooza'yat e A'ema Ar'biah*—not even one *hadith* is correct in it.

III. *Fooza'yat e Arab au Zu'baan e Arabi*—"ditto".

IV. *Mau'zoo'at e Ajam au Zu'baan e Ajami*—"ditto".

V. *Fooza'yat e Abdul e Autaar e Kutb au Ghaus*—"ditto".

We can hardly find any authentic *hadith*, in the scholars of *Mut'kalafeen* also. For example:

I. *Fooza'yal e Sahabaa*—Mostly fake *ahadith.*

II. *Mna'kub e Ahil'e Bait*—Mostly fake *ahadith.*

III. *Hud'yah aur Toofah ki Fazi'lat*—Mostly fake *ahadith.*

IV. *Nikah ki Fazi'lat aur Aurtoon ki Mu'daah*—Mostly fake *ahadith.*

V. *Fooza'yat e Dr'ood*—Mostly fake *ahadith.*

VI. *Mu'daah e Nabi (Salalah alay'heeh Ws'salam)* —Mostly fake *ahadith.*

Imam Ahmed bin Hanbal writes, three kinds of books have no value at all. Those are *Mughazi, Mulla'him* and *Tuf'seer*. Although scholars have raised objection to this statement of Hanbal, nonetheless, his statement is not dependent on any objection. Any reader shall see, that if a handful of *ahadith* do prove to be correct, we can easily count them as exceptions. All *ahadith* about the separation of *ummah* are weak in essence. For example, we read the Jews and An'sars will be divided into 72 sects. The Messenger says, his *ummah* shall be divided into 73 sects, only one among them will enter the gates of Heaven. The discrepancy of this *hadith* is very obvious, when seen in context with the historical period. That is, the 73 sects of Muslims were declared by the religious scholars already in the fourth and fifth centuries *hijra*. After that numerous sects came into existence and more sects are being created.

FAKE DISCIPLES:

Although *hadith* scholars and historians together are in complete accord over the fact, the last remaining disciple of Muhammad[PBUH] was Hazrat Abul Fiel Amir bin Da'ilah. He passed away in 102 *hijra* in Mecca. But what we observe from the writings of fabricators is very different. They introduced new disciples, long after the first century.

These disciples were:

I. Jabeer bin Harab—Hafiz Ibn Hajr writes about this fake disciple, that he participated in the Holy War of Khun'daq. Ameer Abdul Kareem

century *hijra*. The critics of this later period were not without mistakes. It has it in *Tz'kara tul Mau'zoo'at* that:

هذا كله يظهر للمحدثين من حيث نظرهم الى الاسناد والا فلا مطمع للقطع لتجويز العقل ان يكون الصحيح في نفس الامر موضوعا و الموضوع صحيحا.

"All this material can only be comprehended by *hadithists* by glancing over the deeds or credentials; otherwise nothing comes close to conviction. As to what the critics judge as accurate, may perhaps be false in its spirit and what they determine as false, could turn out to be absolutely true." The critical religious scholars are not prepared to consider even the most authentic of *ahadith* with conviction, they take them only as speculations. The way these critics have categorized *ahadith*, for example as solid, true, popular or weak, fake, etc., etc., it seems they can not decide with any finality. As *hadith* can only belong to two categories—it can either be true or it can be false!

However, it seems the critiques that have come down to us on *hadith*, still need to be re-evaluated. A very intensive, hard line, *hadithist*, Allama ibne Jo'zee in his book entitled, *Al Mau'zoo'at ul Kubra*, has negated most of *ahadith* of Bokhari, Muslim and Snun Ara'biah. Hafiz Ibne Hajr, who is very lenient, or we can say, has a soft corner in his heart for *ahadith*, is also doubtful on Ibne Jo'zee. He writes that Jo'zee has so many fake *ahadith* in his four volumes that a separate book on it could easily be compiled.

GRAVE CONSEQUENCES:

In spite of the fact, *hadith* scholars did make an earnest attempt on saving the Muslim *ummah* from fake *ahadith*, it appears to have done little good. The influence of fictitious *ahadith* had such a strong impact on the minds and was so deep rooted that even till today, these fake *ahadith* are taken as a treasure of *Deen* of Islam. In the history of *Hadith*, we cannot find a single book that is written without counterfeit gospels, sayings and traditions. Some books, if not completely, will mostly contain fictitious *ahadith*. For example:

a. *Sal'aat ul Ts'beeh*—does not contain a single authentic *hadith*.

b. *Sal'aat ul Ha'jaat*—does not contain a single authentic *hadith*.

c. *Sal;'aat ul Fi'heeh*—does not contain a single authentic *hadith*.

It is stated in *Tz'kara tul Mau'zoo'at*, that in some Sufi books, for example *Quwat ul Kaloob*, by Abu Talib and in the explanatory books of Salb'ee, it has been incorrectly mentioned, that 'night of values' *(Shub e Kadr)*, falls in the middle of the month of *Sha'baan*. People began to read *Sal'aat ul Fi'heeh* in this night of the year. They divided themselves in groups of ten and began reciting hundred of verses each, on this night. This Night of Values (or *Shub e Bar'aat)* was given more importance, than the annual Eed day, which happens to fall after ramadaan, every year. This night was now being celebrated as an annual fair, in which they practiced and spoke so much blasphyemy, that saints took to going into wilderness fearing the wrath of Allah may not happen. It was first of all practiced in 448 *hijra* in *Bait ul Muqdass*. This practice then covered the whole of Egypt and Syria. This wrong practice was impeded by righteous scholars, nevertheless, we do find it being practiced till the eight century *hijra*. Sheikh Ali bin Ibraham wrote in one of his periodicals, the practice of bringing

Thousands of these fake *hadith* makers made innumerable *ahadith* and spread them across continents. In this cyclone of fabrications and concoctions, we did have a few authentic *ahadith,* but it became impossible for the critics, or rather we can say, it was like looking for a needle in a haystack, to bring these genuine pearls in the limelight.

CRITIQUE ON HADITH:

When the scholars on *hadith* began to sift the conglomerate of right and wrong, they had two things on their minds. The first thing was the content of *hadith* and secondly, it was its preamble. To recognize false *ahadith,* these scholars formulated the following principles:

1. That the *hadith* has false historical dates.
2. Any traditions attributed to Rafzis (dissenters) against the Messengers companions, and Kharijites (those who drifted away from the mainstream) against the Ahle-bait (family members of the Messenger.)
3. That many narrators are explaining the circumstances of this *hadith*, but in reality the tradition goes only by one name.
4. That it goes against the Quran.
5. That it is against reason or common sense.
6. That it promises huge rewards for minor deeds and huge punishments for negligible sins.
7. That it is against circumstantial evidence.

Very few fake *ahadith* could be encircled or sifted by applying these later principles. As those fabricators who made minor or small *ahadith*, always made sure, all aspects were taken care of, that could lead others to believe in its fake appearance. Just as we observe in our own times, that in spite of powerful arguments by attorneys, false witnesses get away with their fake statements. Sometimes these false witnesses have a more telling effect as compared to genuine witnesses. Therefore, these above mentioned principles, for weeding out fake *ahadith* have proved futile. The religious critics tried to work out other ways of sifting right from wrong *ahadith,* but nothing seemed to produce any concrete results. Yahya bin Saeed al Kattaan, who is considered as the father of critical acumen or arguments, is of the opinion, there can be no bigger liars than the well wishers of *ahadith*. Imam Muslim says, mistakes can be made by even the most experienced *hadithist.*

Ayub Sukhtian'ee had formed an excellent opinion about his neighbour, on his knowledge, purity and worship habits. At the same time, he was not prepared to believe in his neighbour's verdict, even on a thing as small as a date palm tree (quoted from *Tou'gee ul Nazr,* page 25). Hence the criterion for judging *hadith* was its sheer popularity or fame. Meaning, only those *ahadith* were considered authentic, that had been narrated by recognized or popular *hadithists.*

In actuality, *ahadith* entered in book form, on a mandate from Omar bin Abdul Aziz, in the beginning of second century *hijra*. Although, we do find *hadith* criticism in that period, but actual criticism, to determine fake *ahadith*, began in third

Arba'uun au Da'aniya. We do not find a single correct *hadith* in any of them. In another book called *Wasaya Ali,* apart from its first *hadith* all the rest are concocted and homemade. The *musnid* of Ans Basri is a collection of three hundred *ahadith* that are all false and fabricated. Ibne Addi writes about Musa bin Jaffer, who wrote a book about his ancestors that was brought in the knowledge of Hazrat Ali[R]. It was a collection of one thousand *ahadith.* After going through the whole collection, Dar Katni declared the book as concocted, totally false and disgraceful. He has attributed to Hazrat Ali[R], traditions, on coitus and methods of copulation in the book."

Wilmy states about Abul Fazal Jaffer bin Muhammad Hussain's book called *'Al Uroos',* as irrelevant and blasphemous. And Imam Zuhby is of the opinion, the collection of traditions of Ibne As'haaq bin Ibraham, do not deserve any attention.

FALSE BOOKS ON HADITH:

When verifications began on *ahadith,* the scholars with critical acumen, sifted through the traditions. They compiled a collection of weak *ahadith.* The famous collections among these are called:

- *Kt'aab ul Abat'eel,* by Abu Abdullah al Hussain Humadani, (died 546 hijra).
- *Al Mau'zoo'at ul Kibra,* in four volumes, by Abul Frig Abdul Hama'an Jozee, (died 597 hijra).
- *Fil Ahadith ul Mau'zooah* and اللآلی المصنوعه , by Jalal uddin Sayyuti.
- *Tz'kara tul Mau'zoo'at,* by Sheikh M. Tahir, famous hadithist from Gujrat, Pakpattan, Pakistan, (died 986 hijra).
- *Risalat'aan fil Mau'zoo'at,* by Razi uddin Sa'naee, (died 652 hijra).
- *Al Fawa'yat al Majmu'ah,* by Sheikh Abu Allah Muhammad Shami (died 942 hijra).
- *Fil Ahadith ul Mau'zoo'ah,* by Imam Shaukani Yemeni, (died 1255 hijra).
- *Kt'aab ul Mughani,* by Hafiz Zia uddin Moosali (died 623 hijra).
- *Al Mau'zoo'at tul Sariyya,* by Omar bin Badar.
- *Al Kashif ul Ilahi,* by Muhammad Sandarussi, (died 1177 hijra).
- *Tz'kara tul Mau'zoo'at,* by Mulla Ali Qari (died 1014 hijra).
- *Al Lulu al Mar'sooah,* by Muhammad bin Khalil Qauqchi, (died 1305 hijra).

Hadith suffered so much in the hands of these narrators, that it cannot even be imagined. The *ahadith* that were attributed to Muhammad[PBUH], ninety-nine percent belonged to his life in Medina that spans a length of ten years. The army of fake *hadith* makers had grown very large, they had nothing else to do but fabricate *ahadith* day in and day out. Most of these fabricators had adopted *hadith* making as their profession.

and cautioned others to scrutinize *ahadith* before accepting them, as people were in the habit of including everything, that which suited their temperament, in *Deen.*

9. The favorites of later Caliphs and Ameers, made traditions and used them as means of getting closer to top officials.

10. Professional orators and storytellers, attributed various stories to Messenger and made capitol on it.

These were the ten causes because of which false and fabricated *ahadith* spread among the Muslims. Above and beyond all these, the damage caused by political groups, who wanted to win the hearts of voters, by using Islam was also devastating. They made and concocted *ahadith* and spread it from east to west. And much more damage came from those who fabricated *ahadith,* to emboss their knowledge and tried to force respect, from the hearts of their people.

Sheikh Muhammad Tahir Gujrati writes in his book *'Tz'kara tul Mau'zoo'at,'* a narrator gave up *ahadith* writing in his later years of life. He also now cautioned others from accepting any *hadith* or parable. As mentioned before, they made *hadith* on every subject, that was in accord with their wishes and they could lay their hands on. In other words, making *hadith* meant to attribute the story or gospel to Muhammad[PBUH].

There were others who falsified *ahadith* in broad daylight. Some made *hadith* to gain fame, and some were so naive, they actually thought, to fabricate *hadith* was an act of faith and *jihad.* We read in Biyazwi's explanations and other books, Noah bin abi Maryam eulogized and made *ahadith* on every verse of the Quran. When the authorities of those times on *hadith,* demanded verification of those gospels, he admitted and said that he had fabricated *ahadith* to attract and persuade people towards Quran. The storytellers and orators were more daring and much more blunt. *(After this the author, late Allama Jirajpuri, has copied those ahadith that were told by these orators and storytellers. Since these have been mentioned in the earlier chapter, we are therefore deleting the text here.)*

SUBJECTS OF AHADITH:

The volume of narrators became so huge, that many a times their translations occupied twelve volumes. We can very well imagine the diversity of subjects that were covered by these narrators, in all these *ahadith.* Sheikh Muhammad Tahir Gujrati writes in *Tz'kara tul Mau'zoo'at,* that Jonbari, Ibne Akkasha and Muhammad bin Tameem Farabi together had made ten thousand *ahadith.* He writes about Ibne abi l Au'jaa, when they went to execute him, he admitted of having fabricated four housand *ahadith.* In those *ahadith* he gave religious sanctions on prohibited things nd abjured those that were allowed or *hallal.*

Leaving aside the question of traditions, we find at times, these pseudo-arrators, that are from beginning to the end, full of totally fabricated *ahadith,* have uthored complete books. On page #8 in *Tz'kara tul Hifaaz* it states:

"In *Hadith* books we come across some, that contain totally fabricated *ahadith.* Among these books is one by Al Qadha'ee, and another is called

also on the other hand get those traditions that have been fabricated. Thus, we read in Sahih Muslim, when Basheer bin Ka'ab began to explain *ahadith* in front of Hazrat Ibne Abbas[R], he paid no attention to him. Basheer asked the reason for his not paying him any attention. Hazrat Abbas[R] replied, there was a time when they were all ears at the mention of Muhammad's name. Ever since people began to fabricate tales and stories, they have given up on *Hadith.*

This was also the reason, the respected disciples had given up narrating *ahadith.* Ibne abi Laila asked Zaid bin Arqa'an to narrate any *hadith* he was in knowledge of. Zaid replied that he had grown old and had forgotten. Abdullah requested his father Hazrat Zubair [R], to tell him of any saying of the Messenger that he knew. He also gave the same reply. Sa'ib bin Yazid says that he journeyed from Medina to Mecca with Hazrat Sa'ad bin Malik, he did not hear a single tradition from him. Imam Saabi says that he lived for one year with Hazrat Omar [R]. In that period he never heard any *hadith* from his lips.

POST DISCIPLES ERA:

After the era of disciples, we notice a huge increase in the number of *hadith* narrators as well as fabricators. Allama Ibn Joz'ee states the following causes for the indiscriminate spread of *hadith:*

1. Some people because of their carelessness distorted the version.
2. Some scholars lost their memory with age; after taxing their minds, they spoke whatever they could remember.
3. Many trustworthy narrators, because of old age mental deficiency, spoke of incorrect traditions.
4. Among them were also some, who inadvertently told incorrect traditions. When their mistakes were brought to their knowledge, these people considered it beyond their dignity to do anything about these wrong traditions.
5. The *Aj'mees* (Those who became Muslims, though inwardly they were against Islam. Their number was not any less during the Abbasid period) made numerous counterfeit and fake *ahadith,* that proved destructive to the principles of Islam. In their ostensible eulogy, they were proving the Shar'iah incorrect, deleting the *ayaat* of Quran and portraying the character of Muhammad[PBUH] as weak.
6. Religious bifurcations commenced and new sects came into existence. Like Shi'ites, Sunnis, Qadris, Jehemy, Muz'jiya, Mo'tzilla et all. Each one of these made up their own *hadith,* that praised their own sect and was against all others.
7. Many good people also made *ahadith* with a good and a holy morale in it.
8. Many thought it was granted to attribute wise adages to the Messenger and then have them attested as traditions. It is written in *Tz'kara tul Mau'zoo'at* that one *hadithist* gave up this profession in his old age

DAYS OF DISCIPLES:

The Messenger had categorically stated:

لا تکتبوا عنی غیر القران ومن کتب عنی شیئًا غیرہ فلیمحہ۔

"Do not have me dictate anything save the Quran, whosoever has written anything other than the Quran, must erase it."

The rationale behind this, given by the scholars of religion was, the Messenger said these words, so the Quran may not become a conglomerate. But this cannot be true, as the Messenger could also have said, to write the *ahadith* and Quran separately. The actual purpose of his having said thus, was because people may not involve themselves in traditions. As we know, when traditions begin to prevail, there remains no discrimination between true or false.

We observe, during the reign of the first Caliph Hazrat Abu Bakr Siddiq[R], there began a controversy among people, over the traditions. When it came in the knowledge of Caliph, he said after making them assemble,

> "Today you all contradict the traditions, there will come a time when you all will contradict each other even more fanatically. Therefore, do not quote the Messenger." (refer to *Tz'kara tul Hif'aaz* by Imam Zuhby)

Hazrat Abu Bakr[R] also had a personal collection of 500 *ahadith* in Hazrat Aisha[R]'s possession. Thinking later, he may have inadvertently confirmed a false statement of the Messenger, he got the collection back from her and made a bonfire of it. (Ibid)

We cannot say for sure, if his whole collection was based on hearsay; as he was Messenger's personal companion, and so had the privilege of listening to him personally. There could therefore be no doubt in his personal *ahadith*. Just because he had observed, the arguments over traditions with his own eyes, in his capacity as a Caliph, having forbidden everybody from writing the traditions, he did not assume it safe to leave behind any collection of traditions.

We also read in Sahih Bokhari from Abu Huraira[R], that Amru bin Aas also had a collection of sayings of Messenger in his possession. We have no knowledge of it today with us, whether it vanished in thin air or was it also incinerated, like Hazrat Abu Bakr[R] did. All these precautions were taken due to the menace of hypocrites. What they explained, was absolutely different from what they had heard. In the period of the disciples, after the passing away of Messenger, there were also agnostics along with hypocrites in existence. It was also because of this reason, Abu Bakr[R] laid a prohibition on traditions. While those traditions, which he listened from the disciples, he demanded guarantors or witnesses. Later Caliph Hazrat Omar[R] was more strict; he banned anyone from involving themselves in traditions. In spite of these preventive measures and precautions, these traditions could not be ceased from spreading. We find that where on the one hand, we get authentic explanations, we

THE STATUS OF HADITH...

FORMALISM IN HADITH

ALLAMA ASLAM JIRAJPURI

Chapter 3

Translated By

Aboo B. Rana

****

The Messenger of Allah, had repeatedly asserted and stressed, "Whosoever, on purpose (some say the words, 'on purpose', are a later addition in this tradition. Tolu-e-Islam) falsifies my statements, is inviting hellfire for himself." This tradition has been narrated by ever so many a disciple that because of it some *hadith* authorities have declared it *Muta'water*. Inspite of this warning from the Messenger, we descry there existed some who distorted and falsified *hadith* in the lifetime of the Messenger. Mulla Ali Qari, we find in *'Mau'zoo'at e Kabeer'* has written:

> "In a distance of two miles from Medina, someone by the name of Hyye Bani Lace, sent a matrimonial message to a woman. Mentors of the woman accepted this wedding invitation. This person wore a *hullah* (garment in Islamic folklore worn in paradise) similar to that of the Messenger, and went there, claiming the Messenger had bestowed the *hullah* to him, and he also had granted him the authority to say whatever he may please, about their women. On learning that Muhammad[PBUH] the Messenger had given the folks of the locality, these orders, they bowed their heads in submission. They gave this person a place to stay, and in the meantime, sent two of their men to verify, on what this man claimed himself to be. When the Messenger came to know about it, he was very displeased and extremely annoyed. He ordered the fellow to be executed and then incinerated. Upon reaching there, the Messenger's soldiers found the guy had already died of snake bite and so they burnt his body and came back."

Sheikh Zahir Jazai`ri writes in his book *'Tau'jeeh ul Nzarali ul Asul ul Asar,'* on page 246:

وقد كذب على رسول الله صلى الله عليه وسلم وهو حى وقد كان فى عصرا لصحابة منافقون و مرتدون۔

"The Messenger was falsified in his very lifetime, and that there were hypocrites and heretics present in the period of his confreres."

Safety Sealers for

FULL PROTECTION

From Foundation to Roof Top

Dampcourse Sheeting 13" & 9" to BS 6398:83

Damp Wall Coating to ASTM D-2822

Sealocrete Waterproofing Powder & ADMIXTURES

Oxy Bit Range of Oxidised Bitumens

Roofing Felts to BSS & ASTM SPEC

Safetorch 3 to 5 MM Torch on Membranes

Joint Sealants for Buildings & Structure Water Retaining

Jet Fuel Resistant Sealing for Runways

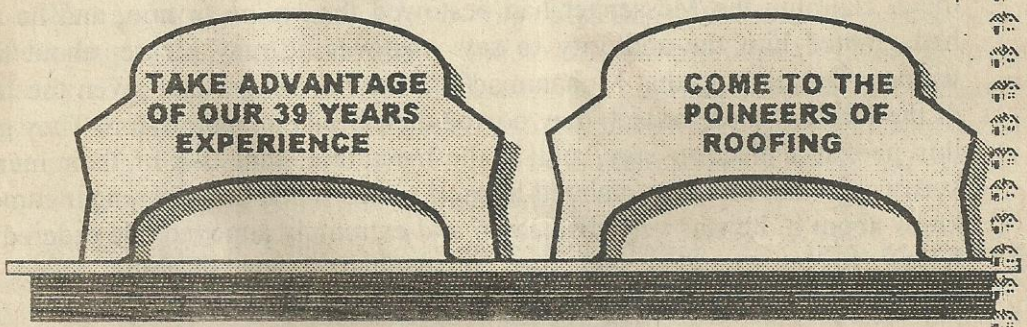

SAFETY SEALERS (PVT) LTD.

Ist Floor Galaxy Shopping Centre, 115-Ferozepur Road, Lahore-Pakistan
Tel Office:417254-7573615
KARACHI OFFICE:2/13-A, Commercial Area, P.E.C.H.S.
Karachi-Pakistan Tel:4944059
QUETTA: 12 A Nursery Lines
Ph:836778

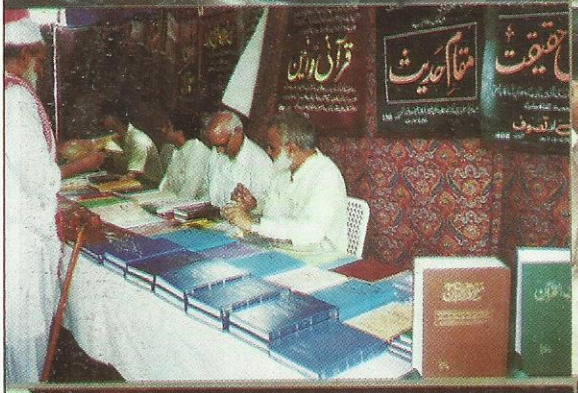

قرآنی قوانین
مقامِ حدیث

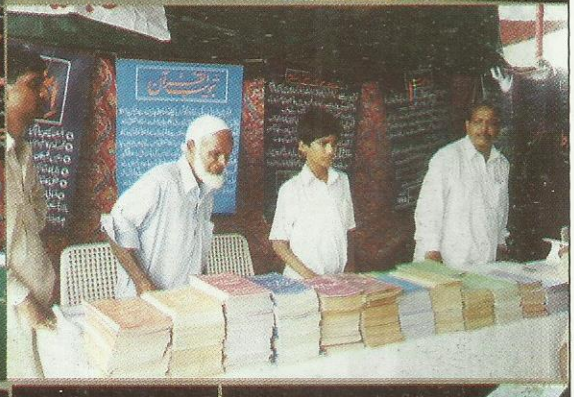

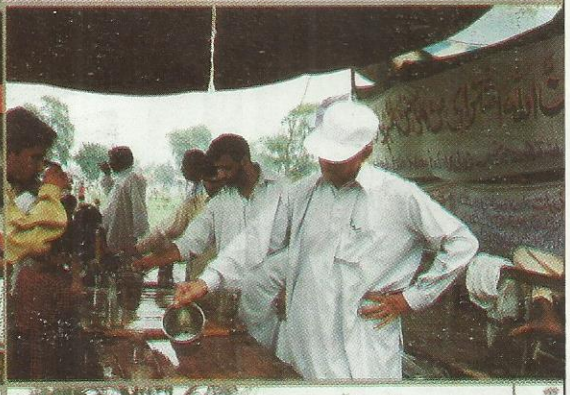

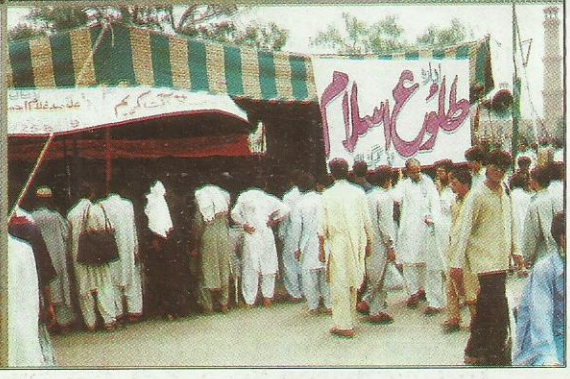

طلوعِ اسلام

FOUNDED IN 1938 AT THE BEHEST OF ALLAMA IQBAL® AND QUAID-E-AZAM®

R.L.No.
CPL-22
VOL:54
ISSUE
09

Monthly

TOLU-E-ISLAM

25-B, Gulberg 2, Lahore, PAKISTAN
Phone: 5714546, 5753666 Fax: 5866617
Email: idara@toluislam.com
Web Site: http://www.toluislam.com/

AMBER®

We are ISO 9001 certified!!

AMBER Range of Products:

Capacitors for Motor Start-Run, Fans, Blowers, Air Conditioners, Fluorescent Lamps, High Pressure/High Intensity Discharge Lamps, and, Power Factor Correction.

CUSTOMER SPECIFICATIONS ARE WELCOME!!

Amber Capacitors Limited
16-Link Mcleod Road, P. O. Box 468, Lahore, PAKISTAN.

Phone: +92 42 722 5865, 722 6975
Fax: +92 42 723 2807, 586 6617
Web Site: http://ambercaps.com/
Email: amber@ambercaps.com